جس کتاب پر مصنف کی مہر نہ ہو وہ مسروقہ سمجھی جائے

تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ
وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

فتح قسطنطنیہ

یعنی

اسلام کی ایک جلیل القدر اور عظیم الشان فتح کی مفصل تاریخ

مؤلفہ

حاجی بدر الدین احمد بی اے
پراونشل ایجوکیشنل سروس

۱۹۱۳ء

[illegible]

جس کتاب پر مصنف کی مہر نہو وہ مسروقہ سمجھی جائے

تبٰرک الذی بیدہ الملک
وھو علیٰ کل شیء قدیر

فتح قسطنطنیہ

یعنی

اسلام کی ایک جلیل القدر اور مہتم بالشان فتح کی مفصل تاریخ

مؤلفہ

حاجی بدرالدین احمد بی۔ اے

پراونشیل ایجوکیشنل سروس

سنہ ۱۹۱۳ء

از مطبع ہفت ستارہ کلکتہ جلوۂ ظہور نمود

بار اول ۱۰۰۰ جلد (علاوہ محصول) قیمت عہ

فہرست مضامین

مصنف کی عکسی تصویر

تیسرا حصہ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ڈیڈیکیشن

میں اپنی اس پہلی تصنیف کو اے **اسلام**! اے دین مقدس! تیرے نام پاک سے معنون کرنے کی جرارت کرتا ہوں جس کی برکتیں بنی آدم کے لئے آغوش مادر ثابت ہوئیں۔ کیونکہ وہ جن کے آرام کے لئے دیبا اور اطلس انتظار کرتی ہے اور وہ جن کا خواب کلفت فرش زمین پر بسر ہوتا ہے دونوں کے قلب کو لے مذہب محترم! تیری طرف نگاہ کرنے میں ایک ہی تقویت پہونچتی ہے۔ کلیسا والے یہ امتیاز اُٹھا نہ سکے نہ پرستار ناقوس۔ صداقت سے پوچھ تیری چاہ کتنی آسان ہے اور تیری خصومت کتنی مشکل۔ پھر کوئی تجھے کیوں نہ چاہے اور تیری عداوت کوئی کیوں روا رکھے۔ تاریخ عالم کو اشارہ کر کہ تیری داستان کو اُس نے کن حرفوں میں لکھا ہے دکھائے۔ دیکھ اس نے اپنے اوراق اُلٹنے شروع کئے اور تیری تمدن کے

منظرہائے گوناگوں یکے بعد دیگرے چشم خیال کے سامنے جلوے دکھانے لگے ہیں۔ آہ کیسے دلفریب اور حسین ہیں! ہاں اشارے کرتا جا۔ وہ سرزمین عرب شہادت کے لئے آکھڑی ہوئی کہ تیرہ سو سال قبل تو نے کیونکر اس سرزمین کو امان بخشی۔ صدیاں گذرتے گذرتے تھک گئی تھیں مگر اس کی وادیوں میں بنی آدم کے خون کا بہنا نہ تھمتا تھا۔ تو نے ان کے سر پر آکر اپنے نور کے پر پھیلائے جس کی چمک سے تاریکی میں اجالا ہوگیا اور وہاں کے رہنے والوں نے پہلے پہل اس خون کو دیکھا اور کانپ اٹھے۔

ایک دوسرا اشارہ۔ وہ اندلس آیا۔ اُف رے اس کی سر بفلک عمارتیں اور عمارتوں کی اچھوتیاں الحمرا اور بیت الاسد! اور علم و حکمت کے وہ خزانے جن کی اندوختگی میں لاکھوں ارسطو دماغوں کی فہم و ذکا نے جانفشانیاں کیں! ہائے اس کی منور شاہراہیں اور دلفریب تفریح گاہیں جہاں اسلام کی خواتین پاکیزہ نازک خرامیاں کر رہی ہیں!

ایک تیسرا اشارہ۔ جملوکوں اور ترکوں کے سوار پہونچے۔ صلاح الدین کے نیزہ دار۔ ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں نے کیا گرد اڑائی ہے! اس غبار میں کہیں صلیب جھکی ہوئی نظر آرہی ہے کہیں اس کے پرستاروں کے ٹوٹے ہوئے زرہ اور خود۔ کہیں وائنا کے برجوں پر اڑنے والے پھریرے۔ کہیں قیصر قسطنطنیہ کا تاج پامال اور سرنگوں۔

ایک اور اشارہ۔ مرحبا اے گروہ اہل صفا! تمھارے خرقوں کی

بے ترتیبیوں پر دس ہزار شاہنشاہوں کے کرّ و فر قربان - اسلام نے تمہیں وہ راز ہائے سربستہ بتائے ہیں جن کی عقدہ کشائی میں عقل و خرد نے نگاہیں نیچی کریں تم عجیب کیفیت میں زندگی بسر کرتے ہو - تمھاری محویت ! سبحان اللہ ! ایک ایک جھلک روشنی کی آتی ہے اور کون و مکان کے نظارے تمھارے سامنے موجود ہو جاتے ہیں - مگر ہاں بشریت کا تقاضا اس نے کچھ یوں کیا ہے کہ تمہارے انکشافات میں دوام نہیں - بس اے مذہب محترم ! بس - تیری تجلیوں نے میری آنکھیں چکا چوند کر دیں - اچھا مجھے اتنا تو بتا دے کہ بدنصیبوں نے تجھے کیوں نہ سمجھا ؟ کیا تیرا حسن تاباں ایسا نہیں ہے کہ تیرے پرستار اور غیر پرستار سب تیرے سامنے جھک جائیں ؟ بیشک تیرا جمال جہاں آرا ایسا ہی ہے مگر وہ اُن ہی آنکھوں کو فرحت اور تازگی بخشتا ہے جو فرطِ شوق سے تیرے رستے پر بچھی ہوئی ہوں -

---

دیباچہ

سنہ ۱۹۰۴ء میں جب میں سفر حج پر ہندوستان سے باہر گیا ہوا تھا میں نے قسطنطنیہ اور مصر کی بھی سیاحت کی تھی۔ دوران سیاحت میں قسطنطنیہ کی دلفریبیوں نے میرے جذبات پر (اگرچہ میری عمر اس وقت صرف چودہ سال کی تھی) اسقدر اثر کیا کہ میں نے یہ مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ ہندوستان واپس آکر اسلام کی اس جلیل القدر اور مہتم بالشان فتح کی ایک تاریخ ضرور لکھونگا۔ میرے خیال میں زبان اردو میں ایک ایسی فتح کے حالات کا قلمبند کیا جانا نہایت ضروری تھا جو نہ صرف مسلمانوں کا سرمایۂ فخر ہے بلکہ کل ایشیا کی گردن پر ترکوں کا ایک بہت بڑا احسان بتا رہی ہے جس کی میں آگے چل کر توضیح کرونگا۔ میں نے اپنا یہ ارادہ سنہ ۱۹۰۶ء میں اس کتاب کو لکھکر پورا کیا جس میں آل عثمان کی سب سے عظیم الشان فتح کے حالات لکھنے کے ساتھ ہی ساتھ میں نے یہ بھی مناسب سمجھا کہ ابتدا سے لیکر دولۃ ترکیہ کی ایک مختصر سی تاریخ

لکھدوں تاکہ ایک اسلامی حکومت کے ابتدائی احوال معلوم کرنے کے علاوہ قارئین کتاب کو اس سے بھی واقفیت ہوجائے کہ ترکوں کی یہ جلیل القدر فتح محض ایک اتفاقیہ امر نہ تھی بلکہ ایک ہونہار اور اُمنگوں بھری قوم کی کئی پشتوں کی کوششوں اور محنتوں کا ثمر تھی - نیز دو باب بر تنظیم اور تعمیر قسطنطنیہ پر لکھنے کو رہ بھی ضروری تھے - مگر بدقسمتی سے اخیر چل کر تعلیم کے مشاغل سے کچھ ایسی کم فرصت ملنے لگی کہ میں کتاب کو شایع کرنے سے رہگیا - حتیٰ کہ دنیائے اسلام کا وہ پرآشوب زمانہ پہونچا جس کی ابتدا اسوقت ہوئی جب کہ اطالوی فوج نے طرابلس الغرب کے ریگستانوں میں عربی جانوں اور عربی عصمتوں کا بے گناہ خون کیا - ان ایام کے واقعات نے کُل مسلمانان عالم کی توجہ قسطنطنیہ کی طرف پھیردی - کچھ عرصے بعد جب جزیرہ نمائے بلقان میں مسلمانوں پر ایک اور قیامت برپا ہوئی تو انکی یہ توجہ ایک سخت اضطراب سے بدل گئی جو دارالخلافت اسلام کے متعلق انکے دلوں میں پیدا ہوگیا - اور جونہیں ہندوستان میں یہ خبر آئی کہ بلغاری فوج چٹلجہ پر پیش قدمی کررہی ہے اور بلغاری سپہ سالار یہ دھمکی دے رہا ہے کہ "جب تک میں اپنی سپاہ کے گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے مسلمانوں کے دارالخلافت کو پامال ہوتے نہ دیکھ لونگا اپنی شمشیر کو نیام میں نہ کرونگا اور اس سے میرا مقصود یہ ہے کہ دنیای اسلام کو اپنے سامنے سرنگون دیکھوں" - دفعتہً عالم تصور میں تاریخ اسلام کا وہ ورق انکے سامنے کُھل گیا جس میں مسلمانوں کی حکومت اندلس کے

خاتمے کی داستان آگ اور خون کے حرفوں میں لکھی ہوئی ہے - کیونکہ جب بھی سرزمین یوروپ میں ایک جلیل القدر اسلامی حکومت ملیامیٹ ہو رہی تھی اور اب بھی دنیائے اسلام کے سامنے وہی واقعہ درپیش تھا - ان وجوہات اور ان خیالات نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا کہ اپنی کتاب کے مسودے کو صاف کر کے اسے شائع کر دوں تاکہ اس کے مطالعہ سے اسلام کی اس بڑی فتح کے متعلق عوام کی معلومات میں اضافہ ہو اور نیز عثمانیوں کے معاملات میں جمہور اسلام زیادہ دلچسپی لینے اور ان سے ہمدردی کرنے لگے - پھر بھی مجھے افسوس ہے کہ چند وجوہات سے کتاب کی اشاعت میں تاخیر ہوئی -

کیا مسلمانوں کے لئے یہ ایک نہایت خطرناک امر نہیں کہ پچھلی ایک صدی کے اندر ہی اندر پچاسوں اسلامی حکومتوں کے نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ گئے ؟ بارقہ - طرابلس - الجزائر - ٹیونس - مراکو یعنے ایک براعظم کا سارا شمالی حصہ مشرق سے مغرب تک اسلام کے پھریرے کے اندر سے نکل گیا - ایران ! خوبصورت ایران ! وہ بھی روس کا باجگزار بن گیا - اور اب یہ نوبت پہونچی ہے کہ صلیب کے نام سے ہلال تھرانے لگا ہے - اس بحر فنا میں غرق ہونے سے ایک ہی ٹوٹی پھوٹی کشتی بچی ہوئی ہے اور وہ آل عثمان کی دولت ہے - اگر ہمارے مدائن مقدس کی حفاظت کا سوال کسی امر کے ساتھ وابستہ ہے تو اسی دولت کی حیات کے ساتھ ہے اور سیاسی اسلام کا دوبارہ زندہ ہونا کسی شئی پر منحصر ہے تو اسی دولت کے

استحکام و اقتدار پر۔

یوروپی مورخ لکھتے ہیں کہ جان ہینڈی جیسے جنگجوؤں نے پیدا ہو کر یورپ کی طرف ترکوں کی پیش قدمی روک دی مگر ایشیا کو وہ اسباب بتائے جائیں کہ وہ کیوں یہ نہ سمجھے کہ ترک ہی ان یوروپی لیٹروں کی غارت گری کی مدافعت کے لئے پہلے سے یوروپ میں پہونچ گئے۔ تاریخ کے صفحے ہمیں کہہ رہے ہیں کہ عربی اقتدار کے اختتام پر اگر جزیرہ نمائے عرب میں عثمان کا علم بلند نہوتا تو آج ہم اس سرزمین میں اسلام کا پھریرا اُڑتا ہوا نہ دیکھتے۔ یہ ممکن تھا کہ شان ایزدی نے آبطحہ اور یثرب کو محفوظ رکھا ہوتا پھر بھی یہ کون کہہ سکتا ہے کہ صلیب کے پوجنے والے ارض المقدس سے اسلام کے علم کو اکھاڑ کر عربستان کے ریگستان میں نہ پھینکدیتے اور نیز سرزمین عرب مغرب کے متعصب حملہ آوروں کی بازیگاہ نہ بنجاتی؟ مگر ہم اس علم کے اثر کو محدود کیوں کریں؟ کیا یہ بھی اغلب نہ تھا کہ اگر ان دو براعظموں کے درمیان اس جری قوم نے اپنی عظمت نہ بٹھائی ہوتی تو یوروپی فتوحات کا ایک مہلک اور ہیبت ناک سیلاب رفتہ رفتہ لہراتا ہوا سیدھا مشرق کی جانب حملہ آور ہوتا اور سارے ایشیا کو غرق کر دیتا؟ پھر نہ کجکلاہ ایران کا افسر شاہانہ محفوظ رہتا اور نہ فغفور چین کا دیہیم خسروی بچا ہوتا بیشک اگر ہم غور سے دیکھیں تو کل ایشیائی قوموں میں یہ ترک ہی ہیں جو اب تک اس گری ہوئی حالت میں یوروپ کو اس کے گھر کے دروازے پر جا کر ایشیا کی طرف قدم بڑھانے سے روکے ہوئے ہیں اور ایک زمانے تک اپنی پشت کی طرف

ان ملکوں کو پناہ دیکر سارے یورپ کے قہر وغضب کو تنہا اپنے سر لیئے رہے - ہلال کا نازل ہونا تھا کہ وسط ایشیا کے آزاد حکمرانوں کے اورنگ حکومت ہل گئے - ورنہ ماسکوی قوم کا یہ زہرہ نہوتا کہ ان بیکس قوموں کے سر پر اس بے پروائی کے ساتھ اپنے فولادی گھونسے کی نمائش کرتی - پس سلطنت عثمانیہ کے معاملات میں دلچسپی لینی اور اس کے ساتھ عملی ہمدردی کرنی کل ایشیائی قوموں کا فرض ہے - بغیر اس امتیاز کے کہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم -

اخیر میں میں اپنے مخدوم و کرمفرما جناب شمس العلماء مولوی یوسف جعفری صاحب رنجور خان بہادر کا تہ دل سے شکریہ ادا کئے بغیر رہ نہیں سکتا جنھوں نے نہایت توجہ سے میری کتاب کے مسودے کو شروع سے آخر تک سنا اور بہت سی مفید باتیں بتائیں اور اپنے پیارے دوست مولوی امیر الدین احمد صاحب بی - اے کے احسان کا بھی نہایت مسرت کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں جن کی وسیع تاریخی معلومات سے مجھے اس کتاب کی تالیف میں بہت مدد ملی - مولوی تفضل حسین صاحب فطرت کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے اس کتاب کے متعلق مجھے بہت سے مفید مشورے دیے -

جہانتک میری محدود استعداد سے ممکن ہوا میں نے ساری کتاب کو نہایت دلچسپ پیرائے میں لکھنے کی کوشش کی ہے خدا کرے کہ قوم میری اس چھوٹی سی تصنیف کو اپنی قبولیت کا خلعت پہنا کر میری حوصلہ افزائی کرے - آمین !

کلکتہ
مورخہ یکم مارچ ۱۹۱۴ع

بدر الدین احمد

پہلا حصّہ

پہلا باب

بزنطیم

اب سے ڈھائی ہزار برس پہلے جب کہ ہنوز نہ سرزمین عرب میں آفتاب رسالت چمکا تھا اور نہ ارض المقدس میں روح اللہ کے نور ولادت کا ظہور ہوا تھا ابنائے باسفورس کے یوروپی ساحل پر گہوارۂ اسلام سے ڈیڑھ ہزار میل پر شمال کی جانب بزنطیم کی بنیاد پڑی تھی۔ اوائل میں یہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جس کو حضرت مسیح علیہ السلام کے چھ سو اٹھاون سال قبل یونانی مہاجرین کی ایک جماعت نے آکر بسایا تھا۔ یہ ڈورین قوم کے یونانی تھے اور انکا پیشہ تجارت تھا۔ جوں جوں ان کی تجارت کو فروغ ہوتا گیا بزنطیم کو شہرت ہوتی گئی

اور پھر تو یہ چھوٹا سا قصبہ بہت جلد ایک مشہور شہر اور تجارت کا عظیم الشان مرکز بن گیا۔

بزنطیم والوں نے جہاں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائی تھی انہوں نے اس کے احترام کو بھی کچھ دنوں تک کامیابی کے ساتھ محفوظ رکھا۔ کُل تیس سال تک یہ شاہان ایران کے زیر حکومت رہے ورنہ علاوہ اس عرصۂ قلیل کے انہوں نے پہلی تین صدی تک اپنی آزادی برابر قائم رکھی جب اسکندر اعظم کا باپ فیلقوس شاہ مقدونیہ کا زمانہ آیا تو اس نے بزنطیم پر تاخت کی مگر ناکام رہا۔ ایک مدت مدید تک وہ شہر کا محاصرہ کئے پڑا رہا پھر آخر یہ سوچا کہ شبِ تاریں غفلت کے وقت کمند اور سیڑھیوں کے ذریعہ شہر کی فصیلوں پر چڑھ کر اندر گھس پڑے۔ مگر ایک عجیب واقعہ سے جسکو بزنطیم والوں نے تائید ایزدی تصور کی شاہ کا راز کھل گیا۔ یعنے عین اُس وقت جبکہ وہ اپنی کارروائی کرنے والا تھا آسمان پر ایک روشنی نمودار ہوئی۔ جس میں بزنطیموں کو فیلقوس کا لشکر آگے بڑھتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ دیکھ کر وہ جنگ کے لئے مستعد ہو گئے اور آخر فیلقوس کا ناکامیوں سے جی چھوٹ گیا اور وہ اپنی فوج کو لیکر واپس چلدیا۔

گو فیلقوس بزنطیم کو فتح نہ کر سکا مگر چند ہی سال بعد جب سلطنت اس کے بلند اقبال بیٹے اسکندر اعظم کے ہاتھ آئی تو اس کی کشور ستانی کے آگے بزنطیموں کی کچھ نہ چلی اور آخر انکا مستحکم شہر اس کے ہاتھ سے فتح ہونے کے بعد مقدونیہ کی عظیم الشان سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ اسکندر اعظم مر گیا تو اس کی زبردست حکومت میں تزلزل پڑ گیا اور ان کے تین جانشینوں کے بعد بزنطیم پھر آزاد ہو گیا۔ مگر اس کی اس آزادی کا جلد خاتمہ ہو جاتا اگر بزنطیم والے اس وقت ایک نہایت مدبرانہ کارروائی عمل میں نہ لاتے۔ انہوں نے یہ دیکھا کہ رومیوں کی مملکت اندنوں عالمگیر ہو رہی ہے اور چونکہ رومیوں اور مقدونیہ والوں میں قدیمی عداوت ہے ایک نہ ایک رومی کسی حیلے سے ان پر چڑھ دوڑینگے اور جہاں جنگ چھڑ گئی تو مقدونیہ کی تباہی مسلم ہے ساتھ ہی ساتھ ہم جو مقدونیہ کے قریب رہتے ہیں ہماری آزادی کے دن بھی پورے ہو چکینگے۔

چنانچہ ان خطرات کا خیال کر کے انہوں نے جس قدر جلد ممکن ہوا رومیوں سے موافقت پیدا کر لی۔ جو ان کے حق میں آیندہ نہایت مفید ثابت ہوئی۔ کیونکہ فی الواقع انکے قیاس کے مطابق آگے چل کر روم اور مقدونیہ میں جنگ چھڑ گئی۔

اور رومی غالب آئے۔ اس جنگ کے ایام میں بزنطیمیوں نے اپنی دوستی کا عملی ثبوت دینے کی غرض سے رومینوں کو ان کے غنیم کے خلاف اس وفاداری کے ساتھ امداد بہم پہونچائی کہ اختتام محاربہ پر روم کی مجلس شوریٰ نے ان سے کچھ خراج لیکر صرف خارجی تعلقات کے علاوہ کل دیگر معاملات میں ان کو ہر طرح کی آزادی اور خودمختاری بخشدی۔ مگر بدقسمتی سے یہ چین بھی جو بزنطیمیوں کو نصیب ہوا زیادہ دنوں تک قائم نہ رہا۔ کیونکہ روم کی جمہوری حکومت کے ملیامیٹ ہوجانے پر ایک زمانے کے بعد جب شہنشاہ ویسپے سین کا دور دورہ ہوا تو پھر انکے سر پرادبار کی گھٹا چھاگئی یعنے بزنطیم سلطنت روم کے ساتھ ملحق کرلیا گیا۔ اور اس کی آزادی کا جو کچھ نام ونشان باقی تھا وہ بھی مٹ گیا۔ جب ہی سے صدیوں بزنطیم کو امن وامان نصیب نہونیوالی تھی۔ اور تاوقتیکہ اس کے قلعوں کے لہراتے ہوئے شفق گوں پھریروں پہ ہلال اور ستارہ نہ چمکا یہ بدبخت شہر ہزاروں بلا کا صید مبتلا رہا کیا۔

اس الحاق کے تخمیناً ایک سو بیس برس بعد ایک خونریز واقعہ پیش آیا جب کہ دو ظالموں نے بزنطیم کی اینٹ سے اینٹ بجادیں۔ باعث تباہی کا آغاز یوں ہوا کہ جب رومی شہنشاہ مارکس اوریلیس جنگ میں مارا گیا تو حکومت کے

امورات میں فوجی حکام کو غلبہ ہونے لگا اور کموڈس کے قتل پر جو مقتول شہنشاہ کا بیٹا اور جانشین تھا تین فوجی امرا اورنگ حکومت پر قابض ہونے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ ان میں سے ایک کا نام پسینیس تھا جس نے مشرقی صوبجات میں اپنے کو حکمران قرار دیا اور دوسرا سویرس تھا جو ملک آلیریا میں تاجدار مانا گیا۔ بدقسمتی سے بزنطیم ان دو غاصبوں کی مملکتوں کے حدود پر پڑا اور چونکہ اس کی حصانت و استواری کو دونوں جانتے تھے اس لئے دونوں کی یہ خواہش ہوئی کہ اس پر قابض ہو جائیں۔ چنانچہ جب سویرس اپنی سلطنت کی کسی اور طرف اپنا اقتدار جما رہا تھا۔ پسینیس نے فوراً بزنطیم پر اپنا تسلط کر لیا۔ اور جنگ کے لئے مستعد ہو بیٹھا بعد کو جب سویرس اپنی فوج لیکر مغرب سے نمودار ہوا اور دونوں حریفوں میں نبرد آزمائی کی ٹھہری۔ تو ایشیائی امیر مغلوب ہو کر مارا گیا۔ اور یوروپی غاصب ظفریاب ٹھہرا۔ پھر بھی بزنطیمیوں نے فاتح کی اطاعت قبول نہ کی اور اس کے خلاف جنگ پر اڑے رہے۔ اسی طرح دو سال تک وہ غنیم کے قبضے میں نہ آئے مگر جب سویرس برافروختہ ہو کر خود ان کے مقابلے کو آموجود ہوا تو آخر شہر فتح ہو گیا۔ فتح کے بعد سویرس نے جو بزنطیمیوں کی سرکشی پر نہایت غضبناک ہو رہا تھا اپنی

آنکھوں کے سامنے ان کی ساری سپاہ اور حکام شہر کو قتل کروا دیا۔ شہر کی مستحکم دیواریں جو پتھر کی بنی ہوئی تھیں مسمار کروا دیں۔ رعایا کی جائداد ضبط کرلی۔ اور بزنطیم کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔

جب اس ظالم کی موت پر اس کا بیٹا کراکیلا جانشین ہوا۔ تو اس نے بزنطیمیوں کو پھر یہ اختیار بخشدیا کہ اپنی حکومت آپ سنبھالیں۔ اس پر بھی انکا اختر اقبال نہ چمکا کیونکہ اندنوں یوروپ میں ایک نئی وحشی قوم کی نشو و نما ہو رہی تھی جن کے امرا کے تخت کے سامنے کسی وقت بیسیوں تاجداران یوروپ مثلت نشین ہونے والے تھے۔ ان وحشیوں نے سالہا سال تک یعنی تا آغاز جلوس آلیرین شہنشاہان اپنی تاخت و تاراج سے بزنطیمیوں کو چین لینے نہ دیا۔

ڈایوکلیشین آلیرین شہنشاہ کا جب زمانہ آیا تو اس نے اس مصلحت سے کہ وحشی حملہ آوروں کے مقابلے کو میدان کارزار میں فوراً موجود ہو سکے اپنی جائے سکونت نکومیڈیا کو قرار دی۔ جو خلیج مارمورا کے ایشیائی ساحل پر بزنطیم سے کل ساٹھ میل پر واقع تھا۔ ایوان شاہی کی اس تبدیلی سے بزنطیمیوں کی اگرچہ بہت کچھ تسلی ہوئی کیونکہ شہنشاہ کے قرب کی وجہ سے وہ وحشی حملہ آوروں کی

ایذا رسانی سے ایک گونہ محفوظ ہو گئے تھے پھر بھی ان کو یہ اندیشہ لگا رہا کہ اگر حکومت روم کے دعویداروں میں جنگ ہو پڑے گی تو میدان کارزار بزنطیم ہی کے سینے پر گرم ہو گا۔ اور واقعات نے بھی بہت جلد ثابت کر دیا کہ ان کی یہ دہشت بیجا نہ تھی۔ کیونکہ جب ڈایوکلی شین نے تخت سے کنارہ کشی کر لی تو خانہ جنگی کی آگ تیز ہوئی اور آخرالامر لیسینیس اور میکسیمینیس میں سلطنت کے مشرقی حصے کی تقسیم ہو گئی۔ جس کی رو سے سابق الذکر جزیرہ نمائے بلقان میں حکمران ٹھہرا۔ اور دوسرے کی حکومت میں ایشیائی صوبجات آئے۔ بزنطیم اس تقسیم میں لیسینیس کو ملا۔ اور اقصائے مشرق میں یہی اس کا سرحدی قلعہ تھا۔ مگر اقلیم سیاست میں حق پرستی کی رسم ہمیشہ معدوم رہی۔ کیونکہ لیسینیس جب اٹالیہ گیا ہوا تھا میکسیمینس نے دغابازی پر کمر باندھی اور بغیر اعلان جنگ فوراً اپنے ہمسائے کے ملک پر چڑھائی کر دی اور چھاپہ مار کر بزنطیم پر قابض ہو گیا۔ لیسینیس جب اس خبر کو سنکر واپس لوٹ آیا تو بزنطیم میں میدان کارزار گرم ہوا۔ جس میں بلقانی تاجدار نے مشرقی غاصب کو شکست فاش دی۔ اس کے بعد حکومت روم کا سارا مشرقی حصہ اس کے ہاتھ آگیا اور چونکہ اس کو بزنطیم کی عظمت اور اہمیت

معلوم ہو گئی تھی اس نے یہ منصوبہ باندھا کہ اس بے نظیر شہر کو ایسا مستحکم بنادے
کہ پھر کسی غنیم کو اس کی تسخیر کی مجال نہو۔ اور اس منصوبے کی اس نے ایک حد تک
تکمیل بھی کی۔

باینہمہ قدرت و فراست لیسینیس اپنے زوال و ادبار کو روک نہ سکا۔
قسطنطین اعظم سے جو اس کا رشتہ دار اور روم کے مغربی ممالک کا
شہنشاہ تھا اس کو بہت جلد مقابلہ کرنا پڑا۔ اس وقت یہی بزنطیم تھا
جہاں اس نے ۳۲۳ء میں جم کر آخری مرتبہ جنگ کی۔ مہینوں شہر پناہ
کے نزدیک لڑائی ہوتی رہی مگر بہادر قسطنطین نے محاصرہ اُٹھانے کا
نام نہ لیا۔ اس نے مٹی کے اونچے اونچے ٹیلے تیار کئے جو شہر کی فصیلوں سے
بلند تر تھے اور ان پر بیسیوں جنگی انجن چڑھا کر وہ سنگ باری کی کہ آخر ش
لیسینیس کو ہار ماننی پڑی اور قسطنطین اعظم روم کی عظیم الشان اور عالمگیر
حکومت کا تنہا تاجدار بن گیا۔

دوسرا باب

تعمیر قسطنطنیہ

جب شہنشاہ عالیوقار قسطنطین اعظم اپنے آخری حریف کو شکست دیکر تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا تو پھر روم کی عالمگیر سلطنت ایک فرمانروا کے زیر حکومت آگئی۔ کیونکہ قسطنطین کے قبل ایک مدت تک رومیونکی حکومت منقسم رہی اور اس مدت کے اندر ان کے تاجداروں کے شمار میں گاہے اضافہ اور گاہے تخفیف ہوتی رہی۔ یہ آقائے جدید جس کے عہد میں انکو یہ اتحاد نصیب ہوا ان شہنشاہوں میں تھا جن کو تاریخ عالم نے شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں ایک ممتاز اور

معزز جگہ بخشی ہے۔ کیونکہ وہ نہ صرف ایک ظفر مند جنگجو گذرا ہے بلکہ نیز آئین ملکداری کا اتنا بڑا ماہر تھا کہ اب تک مورخین نہایت توقیر کے ساتھ اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

جب ساری مملکت اس کے ہاتھ آگئی تو قسطنطین کو ایسے انتظاموں کی فکر ہوئی جن سے اس کا اقتدار سب پر غالب اور اس کی حشمت مستقل ہو جائے اس کو اپنی شان ایشیائی شاہوں جیسی بڑھانی منظور تھی۔ یہی باعث تھا کہ سب سے پہلے اس نے اپنے دل میں یہ ٹھان لیا کہ ایک جدید دارالحکومت کی بنیاد ڈالکر روم کی مجلس شوریٰ کے اختیارات سے آزادی حاصل کر لوں جو اپنے منصوبے کی تکمیل کے لئے نہایت ضروری ہے اگرچہ اس کے قبل ڈایوکلی شین نے بھی مصلحتاً اپنی جائے سکونت تبدیل کی تھی مگر قدیم روم کے مقابلے میں ایک نئے مرکز دولت کی بنا ڈالنے کا خیال کسی کے ذہن میں آج تک نہ آیا تھا یہ قسطنطین ہی کا حصہ تھا کہ روم کی قدیم عظمت کو خاک میں ملا کر ایک نئے مقام کو وہ منزلت بخشی کہ روئے زمین کے کل شہروں پر فوق لیگیا۔

اس نئے شہر کی تعمیر کے لئے وہ ایک ایسی جگہ طلب کرتا تھا جو سمندر کے

ساحل پر ہو۔ جس کے بحری اور بری دونوں رستے آسان ہوں جس پر شمال کے وحشی حملہ آوروں کا بس نہ چلے اور جو سرحد سے اتنی مسافت پر واقع ہو کہ ایام جنگ میں پرخطر نہ ہو جائے۔ اس کو جن شہروں کا خیال ہوا وہ نیسیس۔ سرڈیکا۔ الیم۔ نکومیڈیا اور بزنطیم تھے۔ ان میں سے اول دو سمندر سے بہت دور اور سرحد سے بہت قریب ہونے کی وجہ سے اس کے شایان انتخاب نہوے۔ الیم اگرچہ سمندر کے قریب تھا مگر نہ اس کی کوئی عمدہ بندرگاہ تھی اور نہ اس کو اپنے موقع کے لحاظ سے کسی قسم کی فوقیت حاصل تھی۔ اس لئے آخر کے دو شہر یعنے نکومیڈیا اور بزنطیم پر اس کا فیصلہ ٹھہرا۔ اور ان دونوں میں اس کے پیش نظر بزنطیم ہی اس کا زیادہ مستحق معلوم ہوا کہ اس کے انتخاب سے ممتاز کیا جائے۔ کیونکہ یہی ایک مقام ان اوصاف سے متصف تھا جو اس کے نزدیک مقبول ہونے کو لازمی تھے۔ بڑی بات تو اس میں یہ تھی کہ یہ سرزمین یوروپ میں تھا جو ایک یوروپی حکومت کے پایہ تخت کے لئے نہایت ضروری صفت تھی اس کے ہر حصے سے اور نیز اس کے مضافات کے چپے چپے سے قسطنطین واقف تھا۔ استحکام مقام کے لحاظ سے اس کا پایہ نکومیڈیا سے بلند تر تھا

اور ایسے لاجواب موقع پر واقع تھا کہ بحر اسود کی آمد و رفت کا رستہ اور نیز اس کی تجارت بالکل اس کے حکمرانوں کے قبضے میں تھی اور آج تک ہے۔ ان فوائد کو مدنظر رکھکر قسطنطین نے یہ تجویز کر لیا کہ بزنطیم ہی پر جدید روم کی بنیاد ڈالی جائیگی۔

نئے شہر کے حدود بتانے کے لئے شہنشاہ خود ہاتھ میں ایک نیزہ لیکر مع اراکین دربار پیادہ پا روانہ ہوا۔ اور قدیم بزنطیم کے دروازوں سے شاخ زریں کے کنارے کنارے مغرب کی جانب زمین پر لکیر کھینچتا چلا گیا۔ جب دو میل سے بھی آگے بڑھنے لگا تو درباری بے صبری کے عالم میں یہ کہہ اُٹھے کہ عالیجاہا ایک شاہی دارالامارت کے لئے جتنی وسعت درکار ہے حضور اس سے تجاوز فرما رہے ہیں۔ قسطنطین نے گھڑک کر جواب دیا کہ جب تک میرا غیبی رہنما جو میرے آگے آگے جا رہا ہے مجھکو ٹھہرانا نہ چاہے میں بڑھتا ہوا چلا جاؤنگا۔ یہ کہکر وہ آگے بڑھتا گیا اور اسوقت تک واپس نہ پھرا۔ جب تک کہ وہ بزنطیم کے مشرقی گوشے سے تین میل تک نہ پہنچ چکا اور اس کی لکیر کے اندر وہ ساتوں پہاڑ نہ آگئے جو شاخ زریں اور خلیج مارمورا کے مابین باہم جمے ہوئے ہیں۔

شہر کی تعمیر شروع ہو گئی تھی اور سنہ ۳۳۰ء کی گیارہ مئی تک یہ اتنا بن چکا تھا کہ قسطنطین نے بڑی دھوم سے اس کی شادی رچائی۔ پادریوں نے ناتمام شہر کی تکمیل کی دعائیں مانگیں اور خدا سے برکتیں چاہیں اور سینٹ صوفیا کے گرجے میں عیسائیوں نے پہلی بار نماز پڑھی۔

یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ قسطنطنیہ کا بانی اگر قسطنطین نہ ہوتا تو شہر کا نقشہ کیسا ہوتا۔ مگر یہ شوقین اور اولوالعزم شہنشاہ آغاز تعمیر ہی سے اپنا حوصلہ دیکھانے لگا تھا۔ اس نے یہ ٹھان لیا تھا کہ اپنے جدید روم کو قدیم روم سے کسی بات میں کم نہ رہنے دونگا۔ سرکاری عمارتیں یہاں کی ویسی ہی عالیشان ہوں گی جیسی وہاں کی ہیں۔ لیکن عمارتوں کے علاوہ جنکی تعمیر ایک شہنشاہ کے اختیار میں ہے جدید روم کے لئے قدیم کے ہم پلہ ہونے کو ایک اور بات ضروری تھی۔ یعنے آبادی۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اس نے قدیم روم کے بہت سے اراکین دولت اور یونان اور ایشیا کے بہت سے متمول زمینداروں کو بڑے بڑے منصب اور بڑی بڑی جاگیروں کی امیدیں دیکر مدعو کیا۔ خود اس کے بیشمار مصاحبوں افسروں اور خادموں سے تو آبادی کا ایک حصہ پُر ہو گیا تھا اور باقی کرنے

مہاجر امرا اور رؤسا کم نہ تھے۔ اس لئے یہ بھی اعلان کر دیا کہ قدیم رومی دستور کے مطابق رعایا کو غلہ مفت تقسیم کیا جائیگا۔ اور اس غرض سے مصریوں کے ہاں سے غلہ کا خراج جو قدیم روم میں آتا تھا وہ اب فرمان شاہی سے جدید روم میں آنے لگا۔ یہ تدبیر اس کی سب سے زیادہ کارگر نکلی۔ کیونکہ اس تدبیر نے عام آبادی کے بہت سے ضروری ارکین مثلاً صنعت اور حرفت پیشہ لوگوں اور کاشتکاروں کو شہر میں لا بسایا۔

اتنی عالیشان عمارتیں تعمیر ہو گئی تھیں کہ شہنشاہ کے حین حیات ہی میں قسطنطنیہ ایوانہائے شاہانہ کا جلوہ گاہ بن گیا۔ ان کل قدیم عمارتوں کی کیفیت نگاری کو بہت سے صفحے درکار ہوں گے اس لئے اس چھوٹی سی کتاب میں صرف چند مشہور مشہور یادگاروں کا سرسری طور پر بیان کر دیا جائیگا۔ جن کا ذکر اس دلچسپ شہر کے متعلق تاریخ میں اکثر آیا کرتا ہے۔

ایوان شاہی پرانے بزنطیم کے مشرقی جنوبی حصے پر واقع تھا جس کے متصل چار سو پچاس بیگھوں پر شاہی دربار، باغ اور تفریح گاہ تھی جو رعایا کے مکانات کو ڈھا کر بنائے گئے تھے۔ ان شاہی ایوانوں کو عام عمارتوں سے علیحدہ رکھنے کے لئے دونوں کے مابین ایک دراز دیوار تعمیر کرائی گئی تھی

تاکہ قیصر کی چھوٹی سی بستی اور عام آبادی میں منزلت کا امتیاز باقی رہے

پیمائش محل - سونے کی بنی ہوئی ایک چھوٹی سی مندر نما عمارت تھی جس کے سقف کو سات پیلپائے تھامے ہوئے تھے - اس کے اندر شہنشاہ اور اس کی والدہ شہنشاہ بیگم ہلینا کے مجسمے نصب تھے۔ قسطنطین نے اس طلائی محل کو شہر پناہ کے باہر تھوڑی دور پر ایک چھوٹے سے ٹیلے پر جس پر اس نے محاصرۂ بزنطیم کے وقت اپنا خیمہ ڈالا تھا قائم کیا تھا اور اس کے بنانے سے اس کی غرض یہ تھی کہ آیندہ یہیں سے مشرق کے کل مقاموں کی مسافت کی پیمائش ہو -

اگسٹیم شاہی محل کی مشرقی شمالی جانب ایک مشہور و معروف بازار تھا جس کا طول ہزار فٹ اور عرض تین سو فٹ تھا۔ اس کا صحن چکنے پتھر کا بنا ہوا تھا اور ارد گرد رعایا کے شاندار مکانات تھے - اس بازار اور ایوان شاہی کے درمیان کئی بڑے بڑے حمام تھے جو اپنے بانی زیوزیپس کے نام سے مشہور تھے ۔ ان حماموں کے متصل مجلس وزرا کی عمارت تھی جس کے سامنے شہرۂ آفاق ہپوڈرام قسطنطنیہ کا نہایت دلچسپ سرکس تھا جو ایک ہزار چھ سو فٹ لانبا اور دو سو چھ سو فٹ چوڑا تھا - اس میں قدیم روم کے

بہت سے مشہور کھیلوں کا تماشا ہوا کرتا تھا۔ تماشا گروں کی دو جماعتیں تھیں۔ سبز والے اور نیلے والے۔ سبز والے ہمیشہ مشرقی شمالی دروازے سے داخل ہوتے اور مشرق کی طرف بیٹھ جاتے اور نیلے والے مغربی شمالی دروازے سے ہو کر اندر آتے اور مغرب کی جانب بیٹھ جاتے۔ شہنشاہ اور اس کے سینکڑوں مصاحبوں اور خدام کے لیے شمالی کنارے کا ایک حصہ مخصوص تھا۔ جہاں سب کے بیچ میں قسطنطین ایک بڑے تخت پر جو کاتھسما کے نام سے مشہور تھا جلوہ افروز ہوتا تھا۔ عمارت کے بیچوں بیچ ایک دیوار بنی ہوئی تھی جس پر تین نہایت خوبصورت یادگاریں نصب تھیں۔ ان میں سے ایک تو خوبصورت جو گوشہ سنگی ستون تھی جو مصر سے آیا تھا اور جس میں خط تصویری کے کتبے کندہ تھے دوسری تین سر والا برنجی سانپ تھی۔ جس کو یونانیوں نے حضرت مسیح کے چار سو اناسی سال قبل ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد ڈلفی کے نام سے معنون کیا تھا۔ پہلے اس عجیب و غریب سانپ کے تینوں سروں پر ایک طلائی سہ پایہ تھا جو صدیوں قبل چرا لئے جانے کی وجہ سے اب غائب تھا۔ یہ دوسری یادگار گو خوبصورتی میں اوروں سے کم تھی مگر

شہرت ان سے زیادہ رکھتی تھی۔ تیسری یادگار مربع شکل ایک اور برنجی ستون
تھی جو بہت قدیم نہ تھا۔ یہ تینوں کی تینوں یادگاریں اب تک قائم ہیں۔
مگر مشہور و معروف ہیپوڈرام کی دیواریں منہدم ہو کر خاک میں مل گئی
ہیں۔ قدیم چیزوں کے اس طرح ضائع کرنے سے اس ذوالجلال کا بجز
اس کے کیا مقصود ہوگا کہ آنے والی نسلیں گذری ہوئی قوموں کے
غرور اور گھمنڈ کے نشانات کو دیکھیں اور پھر ان کی ویرانیوں اور بربادیوں
کا مشاہدہ کرکے انسان کی عاجزی و بے بسی کی حقیقت کو معلوم کریں۔

ہیپوڈرام کی مشرقی جانب چھوٹے چھوٹے گرجاؤں اور سنگی
مورتوں کی ایک قطار چلی گئی تھی۔ ان مورتوں کی تعداد پہلے بہت کم
تھی مگر چونکہ جو جو شہنشاہ آتے گئے وہ ان میں اضافہ کرتے گئے ان کا
شمار رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔ چنانچہ قسطنطین بھی اپنا حصہ چھوڑ گیا ہے
اس نے سفید اور زرد رنگ کے نہایت سخت پتھر کا ایک ستون بنوایا
تھا جس کے اوپر پیتل کی ایک مورت بنی ہوئی تھی۔

سینٹ صوفیا ایک بڑا سا گرجا تھا جس کو قسطنطین نے اپنی عیسائی
رعایا کے لئے بنوا کر ہیجیا سوفیا (عقل الٰہی) کے نام سے نامزد کیا تھا۔

اس کی قدیم ہیئت کو اس کی موجودہ شان سے کوئی نسبت نہ تھی۔ ابتدا میں یہ ایک معمولی ساخت کی عمارت تھی جس کا نقشہ دو دفعہ جل جانے کی وجہ سے بالکل بدل گیا تھا۔ یہ کل مذکورۂ بالا عمارتیں قسطنطنیہ کے قلب میں تھیں۔ ان کے علاوہ اور بھی ایوانہائے عالیشان تھے جو اگرچہ انکے ٹکر کے نہ تھے مگر شہر کو جگمگا رکھے ہونگے۔

تعمیر شہر کے اختتام پر شہنشاہ نے ایک فرمان جاری کیا کہ نیا دارالحکومت جدید روم کے نام سے پکارا جائیگا مگر مقبولیت عام کا خلعت ایک دوسرے موزوں تر نام کو ملا یعنے قسطنطین کا شہر جب ہی سے ہمیشہ کے لئے قسطنطنیہ مشہور گیا۔

دوسرا حصّہ

تیسرا باب

آمد ترکان۔ سلطان عثمان

قسطنطین اعظم کی موت کو کچھ اوپر نوسو سال گذر رہے تھے کہ مشرق کی سیاسی دنیا مین ایک عظیم الشان انقلاب کے آثار پیدا ہونے لگے تیرہویں صدی عیسوی کے وسط مین چار سو ترکی سواروں کی ایک جماعت خراسان سے ایشیا کوچک کی طرف آرہی تھی۔ کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ کہاں ان کی منزل مقصود تھی اور کس جگہ ان کا مسکن ہوگا مگر مشیت ایزدی نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ واقعات کچھ ایسے ہونگے کہ یہ خانہ بدوش بادیہ نشین سرزمین اناطولیہ سے ایک قدم آگے بڑھنے نہ پائینگے۔ وہیں یہ بس جائینگے

اور وہیں انکا حلقہ وسیع ہو کر فتوحات کی جانب رُخ کریگا۔ اور پھر تو وہ گرجیگا اور وہ برسیگا کہ رومۃ الکبریٰ کی قدیم عالمگیر عظمت کے رہے سہے نشان کو غرق فنا کر دیگا۔ ہاں۔ گویا سحاب باراں کے باہم پیوستہ ہونے سے ایک ہیبت ناک گھٹا چھا گئی تھی جس سے ایک قیامت کا طوفان اُٹھا اور وہ آندھی چلی کہ ایک عالم زیر و زبر ہو گیا۔ یہ سوار ارطغرل بن سلیمان کے ساتھ آرہے تھے جو ترکوں کے اوغز خاندان سے تھا اور برفباری کی شدت کی وجہ سے اپنی خراسان کی قدیم قیامگاہ کو چھوڑ کر نئے مسکن کی تلاش میں روانہ ہوا تھا۔ جب سرزمین اناطولیہ میں پہونچا تو ارطغرل کی نظروں کے سامنے ایک میدان جنگ نمودار ہوا جس میں ایک فریق شکست فاش کھانے پر تھا۔ لڑائی کیقباد سلطان اکونیم اور مغلوں میں ہو رہی تھی اور مغلوں کو بہت جلد غلبہ ہوا چاہتا تھا۔ بہادر ترک نے جب صورت حال یہ دیکھی تو فوراً اپنے سواروں کو لیکر سلطان کی مدد کو مغلوں پر ٹوٹ پڑا اور اپنے چند سواروں کی بڑی حکمت سے ترتیب دیکر سلطان کو اس طرح سے قوت پہونچاتا گیا کہ تین شبانہ روز کی سخت جنگ کے بعد سلجوقیوں کو اپنے دشمنوں پر پوری فتح ملی اور

مغل سراسیمہ ہو کر سمندر کی طرف بھاگے۔

اختتام جنگ پر ان دو اجنبی دوستوں کی ملاقات کس قسم کی ہوئی ہو گی قیاس اس کی تصویر خود بخود کھینچ لیتا ہے۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ سلجوقی سلطان نے اس خدمت نمایاں کے معاوضے میں ارطغرل کو اسکی شہر کا ضلع بخشدیا جو قدیم بیتھنیا کی سرحدی زمین میں عیسائی اور اسلامی مملکتوں کے حدود کے درمیان واقع تھا اور بعد کو جا کر سلطانونی کے نام سے مشہور رہوا۔ تاریخ ثابت کر رہی ہے کہ ان جنگجو مہاجرین کو حق میں یہ عطیہ کسقدر مبارک ہوا۔ کیونکہ یہیں انہوں نے وہ کل سامان بہم پہونچائے جو انکے خروج و عروج کے لئے لازمی تھے۔ اور یہی جگہ تھی جہاں انہوں نے اس زبردست حکومت کی بنیاد ڈالی جس کا پھریرا دو سو سال کے اندر ہی اندر یوروپ اور ایشیا کی کنجی۔ فاتحین قدیم و جدید کی تمنا۔ شہروں کی ملکہ بیگم زینت اقالیم فخر سلاطین۔ یعنے قسطنطنیہ کے قلعہ کے اوپر لہرانے لگا۔ اور جس کی حشمت و شوکت کا نقارہ بہت جلد خلیج فارس سے لیکر طرابلس الغرب تک اور پولینڈ سے لیکر عمان تک بجنے والا تھا۔

ترکوں کی ننھی سی سلطنت قائم ہو چکی تھی۔ سنہ ۱۲۸۸ء میں ارطغرل نے

قضا کی اور اسکا بیٹا عثمان جس کے نام سے آج تک ترک عثمانی مشہور ہوتے چلے آئے ہیں اس کا جانشیں ہوا۔ تخت نشینی کے بعد ہی اسکو اپنی مملکت کے استحکام کی فکر ہوئی۔ یکے بعد دیگرے سرکش قبیلوں کو اس نے محکوم کیا اور رفتہ رفتہ قریب کے کل یونانی قلعوں کو تسخیر کر لیا یہاں تک کہ اپنا سکہ یانی شہر پر جما لیا جس کو اب اس نے اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا۔ اس فتح نے عثمان کی حکومت کو بروصہ اور نیکا کے قریب پہونچا دیا جو ایشیا میں یونانیوں کے دو بڑے شہر تھے۔

تیرھویں صدی کے اخیر میں جب سلجوقی خاندان مٹ گیا تو انکی سلطنت کے چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں ٹکڑے ہو گئے جن میں سب سے زبردست شہزادۂ کرمان کی حکومت تھی۔ ترک ان کل چھوٹی چھوٹی ریاستون کو اپنی دولت میں شامل کرتے گئے۔ مگر شہزادۂ کرمان چونکہ اس وقت ان سے قوی تھا اس لئے اس کو چھوڑ کر انھوں نے اپنے فتوحات کا رخ یونانیوں کی طرف کیا۔ چودھویں صدی کے آغاز میں عثمان نے یانی شہر سے یونانیوں کے مقابلے میں لشکر بھیجنے شروع کئے جنھوں نے شہنشاہ قسطنطنیہ کی فوج کے حرکت کرنے کے قبل ہی قریب کے بہت سے قلعوں کو فتح کر لیا اور

آخر جب قیصری فوج سے انکا مقابلہ ہوا تو سلطان نے انکو ایسی زبردست ہزیمت دی کہ پھر انہوں نے نیکا کی دیواروں کے باہر نکلنے کی جرات نہ کی۔ ان کامیابیوں سے سلطان عثمان کا حوصلہ اور بھی بڑھ گیا اور اسنے رفتہ رفتہ نیکا کو آگھیرا اور پھر اپنی فوج کو بروصہ کے نزدیک لے آیا جس کے مقابل اس نے دو قلعے تیار کئے اور جس کا اسنے دس سال تک محاصرہ ڈال رکھا۔

مستحکم اور بڑے بڑے شہروں کی تسخیر کی ترکوں نے عجیب ترکیب نکالی تھی۔ یعنے بجائے اس کے کہ خاص شہروں کا محاصرہ کریں وہ ان کے مضافات میں قلعے تیار کرتے۔ لوٹ اور غارت کرکے وہاں کے باشندوں اور مویشیوں کو گرفتار کرتے رہتے اور تجارت اور آمد و رفت کا رستہ روک دیتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ شہر میں غلہ گراں ہونے لگتا اور قحط ہونے لگتی جس کی وجہ سے ایک عام انتشار برپا ہوتا اور آخر شہر والوں کو ترکوں کے آگے ہتھیار رکھدینا پڑتا اور شہر فتح ہو جاتا تھا نیکا اور بروصہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ جب تک یہ شہر ہاتھ نہ آئے جنگجو سلطان نے خاموش بیٹھا رہنا گوارا نہ کیا۔ اور دور دور اپنی ہیبت

بٹھانے کے لئے سوار دوڑائے۔ ان سواروں نے تو ایک طرف باسفورس اور بحر اسود تک ساری زمین کو پھونک دیا۔ اور دوسری طرف اس کے جنگی جہازوں نے ساحل کے کل شہروں کی اینٹیں بجا دیں۔

آخر ۱۳۲۶ء میں بروصہ والوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی سلطان کے بیٹے ارخاں نے مفتوح شہر میں ترکی علم نصب کیا اور اپنے باپ کے پاس جو اسوقت صفت میں تھا فتح کا مژدہ سنانے دوڑا گیا۔ سلطان عثمان کو اس مبارک خبر کے سننے سے نہایت خوشی ہوئی اور اسنے اپنی آخری خواہش یہ ظاہر کی کہ موت کے بعد وہ بروصہ ہی میں جو اب ترکوں کا جدید دارالسلطنت ہونے والا تھا دفن کیا جائے۔ اتفاق سے اسی سال اس نے قضا بھی کی اور بیٹے نے باپ کی خواہش کو نہایت وفاداری کے ساتھ پورا کیا۔ وہ ایک نہایت عالی دماغ اور دلیر سلطان تھا۔ تاتاریوں کے ایک گروہ کثیر کو اسنے مذہب اسلام میں لاکر اپنی فوجی قوت میں بہت بڑا اضافہ کیا تھا۔

چوتھا باب

سلطان ارخان

ارخان ۲۵ برس کی عمر میں اورنگ حکومت پر بیٹھا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت یونانیوں کے ایک اور شہر پر ترکوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ یہ نکومیڈیا تھا جو بروصہ کے بعد ہی اسی سال فتح ہوا۔ ۱۳۲۹ء میں قیصر اندرونیکس نے خود فاتحوں کے مقابلے کو کوچ کیا۔ مگر نوجوان شہنشاہ زخمی ہوا اور اور اس کا ایک خیمہ بھی ترکوں کے ہاتھ لگا۔ نیکا والوں نے بھی ۱۳۳۰ء میں ترکوں کی اطاعت قبول کر لی اور ۱۳۳۶ء میں پرگامن میسیا کا دارالحکومت کراسی کے شہزادے سے لیکر عثمانی حکومت میں شامل

کرلیا گیا۔

جب ایشیائے کوچک کے پورے شمالی مغربی حصے پر مسلط ہو چکے تو ترکوں نے ذرا دم لیا اور قیصر قسطنطنیہ نے بھی اس موقعہ کو غنیمت سمجھکر ترکوں سے صلح کر لی۔ یہ صلح کا زمانہ بیس برس تک رہا جس کے اندر ارخان اور اس کا بھائی علاؤ الدین جو اسکا وزیر بھی تھا دونوں نہایت سرگرمی کے ساتھ سلطنت اور فوج کے استحکام و انتظام میں مشغول رہے۔ سب سے پہلا کام ارخان کا یہ تھا کہ اسنے ایک آزاد اور خود مختار تاجدار کی شان اختیار کی اور اپنے نام گرامی کا سکہ جاری کیا۔ اس کے بعد وہ اپنے مدبر بھائی کی مدد سے فوجی قوت کے بڑھانے کی طرف جھکا اور یہ اس وفادار علاؤ الدین کی تدبیر و فراست کا نتیجہ تھا کہ اس کی سلطنت کے قیام کو اس قدر استحکام ہوا۔ ورنہ متفرق جنگجو قوموں اور ہم پایہ حکومتوں اور ریاستوں پر جو گرد و نواح میں تھیں سکہ جمانے میں ایسی ایسی دشواریاں پیش آتیں جنکا مقابلہ کرنا تنہا ارخان کا کام نہ تھا۔ اس وزیر بے نظیر نے سلطنت کی جو جو خدمتیں کیں ان کی جتنی تعریف کیجائے تھوڑی ہے۔

چونکہ پرانی دنیا کے وسط میں اس ہونہار حکومت سے بڑھ کر دوسری کوئی امن وانتظام والی دولۃ نہ تھی اس لئے ہر سال جوق کے جوق تاتاری مہاجرین اور نیز عیسائی قبیلے یہاں آکر بسنے لگے تھے۔ جس کے سبب سے دولۃ عثمانیہ کی آبادی نہایت مخلوط ہوگئی تھی۔ ان مختلف فرقوں کو دباؤ میں رکھنے کے لئے ایک مستقل اور زبردست فوج کی ضرورت تھی جس کو پورا کرنے کے لئے نظامیہ پیادہ فوج کی ایک جماعت تیار کی گئی۔ مگر مبادا یہ جنگجو کبھی بغاوت پر اُٹھ کھڑے ہوں اور کوئی خطرہ آن پڑے ان کی روک تھام کے لئے ایک اور لشکر مرتب کیا گیا۔ یہ جان نثاریوں کی شہرۂ آفاق فوج تھی جو زمانے میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ جب تک اس کا وجود باقی تھا یوروپ آیشیا سے تھرّاتا رہا اور جس وقت اس کا قلع قمع کردیا گیا آیشیا کے غلبہ کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

یہ بے نظیر فوج یوں تیار ہوئی تھی کہ جنگ سے جتنے عیسائی قید ہوکر آتے ان کے لڑکوں کو نہایت کم سنی میں سلطنت کے زیر حفاظت لے لیا جاتا پھر انہیں ایام طفلی سے ایک مدت تک اسلام کے نہایت سچے اصول کے مطابق جنگی تعلیم دیجاتی اور جب وہ بڑے ہوتے ان کو فوج میں

داخل کر لیتے - کچھ زمانے کے بعد جب ان نوجوان تعلیم یافتہ جنگجوؤں کی تعداد بڑھ گئی تو قیدیوں کے لڑکوں کے بجائے خود ان ہی کے لڑکے تعلیم پانے لگے - تین صدی تک اسی اصول پر ہزاروں نوجوان لشکر میں داخل ہوتے رہے - اور پھر تو ایک ایسی زبردست فوج تیار ہوئی جس نے بیسوں جنگجو اقوام کے مقابلے میں وائنا کو کنویں جھکا دئے اور یونان سے لیکر ایران تک کل تاجداروں کو نیچا دیکھایا - یہ اسلام کی پر جوش تعلیم تھی جس نے عیسائیوں کے بچوں میں اس عرب سیف اللہ کے سواروں کی روح پھونک دی تھی - ان کی تباہی دولت عثمانیہ کی تباہی ہوئی - کاش سلطان آرخان کی اولاد نے کسی حکمت سے ان کو محکوم اور سلامت رکھا ہوتا تو آج یوروپ کی تاریخ میں معاہدہ برلن نہ پایا جاتا اور نہ اب روئے زمین پر دو دو ہمعصر زار حکومت کرتے ہوتے -

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سلطان ان میں سے ایک ہزار نوجوانوں کو اپنے شامل لیکر ایک درویش کی خدمت میں حاضر ہوا - اور برکت کے لئے دعا چاہی ان بزرگ کا اسم مبارک حاجی بختاش تھا - انہوں نے سب سے آگے والے جوان کے سر پر اپنی آستین کا سایہ دیا اور فرمایا - " اس جدید فوج کا

نام نیکی چرچی ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کو سرخرو کرے۔ ان کے بازوؤں میں قوت دے ان کی تلواروں کو تیز اور ان کے تیروں کو جاں ستاں بنائے اور ان کو فتح وظفر بخشے"۔ یہ مبارک دعا تیر بہدف ہوئی جس کے آثار بہت جلد پیدا ہونے لگے تھے۔

باقاعدہ پیادوں اور جاں نثاریوں کے علاوہ سلطان ارخان نے تین اور فوجوں کی ترتیب دی تھی۔ جن میں سے ایک بے قاعدہ پیادوں کی فوج تھی جو جنگ کے وقت دشمن کے پہلے پرجوش حملوں کو روکنے کے لئے آگے بڑھتی تھی جب ان کی لڑائی ہو چکتی اور غنیم کی قوت گھٹ جاتی تو موقعہ دیکھکر سلطان اپنے جاں نثاریوں کو دھاوا کرنے کا حکم دیتا۔ جن کے دھواں دھار حملوں کے سامنے دشمن کے قدم جمے ہوئے رہ نہ سکتے تھے اور وہ بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ دوسرا محافظ سواروں کا رسالہ تھا اور تیسرا بے قاعدہ سواروں کا۔

ایسے جرار اور عظیم الشان لشکر کو لیکر ایک جنگجو سلطان کشورستان کب خاموش بیٹھا رہ سکتا تھا۔ سامنے قسطنطنیہ کی عالیشان عمارتیں اور دلفریب جھمکڑے تھے جو باسفورس کے ساحل پر سے اس کو دکھائی

دے رہے تھے ۔ بازووں میں قوت تھی اور نظروں میں یہ دولت تھی ۔ پھر
کونسی شئے اس سے مانع ہوتی کہ وہ اورنگ سلطانی کو عین صلیب کے
سینے پر جا کر بچھا دے اور قسطنطین اعظم کے قلعہ پر اسلام کا اقبال عرب
پھریرے سے منتقل ہو کر عثمان کے جھنڈے میں چاند اور تارا بنکر صدیوں
چمکے ؟ ان فطرتی امنگوں کو تسلیم نہ کیا جائے جب بھی ان ایام میں یورپ
کی ہوا کچھ ایسی بگڑی ہوئی تھی اور قیصروں کی حکومت اسقدر جابرانہ
ہو چلی تھی کہ باسفورس کے مغربی ساحل پر ترکی علم کا نصب ہونا اسوقت
ایک امر متقاضی تھا ۔ ایک طرف تو بادشاہ کی کمزوری نے رعایا کے سر
خانہ جنگی کی آفت ڈھا رکھی تھی دوسری طرف درباریوں اور اراکین خاندان
شاہی کے ہتھکنڈوں اور حاسدانہ سازشوں نے انصاف اور عدل کا
خون کر رکھا تھا ۔ یہ ساری برائیاں ترکوں کے حق میں نہایت مفید
ثابت ہوئیں کیونکہ خود یونانی ان کی حکومت کو جس میں امن و انتظام
تھا قیصر کی حکومت سے بدرجہا بہتر سمجھنے لگے تھے ۔ اور جب انہوں نے
یہ دیکھا کہ ترکوں کے زیر عاطفت نہ خراج کا وہ بار گراں ہے ۔ نہ لوٹ اور
غارت کا وہ بیم و ہراس ۔ نہ ستم کا وہ اندیشہ جس کی دہشت اور مصیبت میں

انہیں اپنی مملکت میں زندگی بسر کرنی پڑتی ہے تو پھر از روئے فطرت
بجائے اس کے کہ ترکوں کے عروج کو وہ خوف کی نگاہ سے دیکھیں اور
ان کی فتح سے لرزیں انہوں نے نہایت اطمنان کے ساتھ آنے والے
طوفان کا انتظار کیا۔

ان دنوں جینوا اور وینس یوروپ میں دو بڑی بحری طاقتیں تھیں
اور وینس والے ترکوں کے دشمن تھے۔ اس لئے ایک دفعہ جب باسفورس
میں یہ دو بحری طاقتیں آپس میں لڑ رہی تھیں ترکوں نے فوراً اپنے دشمنوں کے
خلاف جینوا والوں کو مدد بھیجی۔ اس امداد سے ترکوں کو دو باتیں حاصل
ہوئیں ایک تو یہ کہ انہوں نے وینس والوں کو جو ان کے دشمن تھے
آسانی سے نقصان پہونچایا اور دوسرے یہ کہ ان کو یوروپ میں قدم
رکھنے کا موقعہ ہاتھ لگا جس کی تاک میں وہ ایک مدت سے تھے۔ ترکوں کی
یہ امدادی فوج سلطان کے بڑے بیٹے شہزادہ سلیمان کے ماتحت یوروپ
کی طرف آگے بڑھی۔ جب باسفورس کے ساحل پر پہونچی تو اس کو عبور کرنیکی
دقت درپیش آئی۔ آخر نوجوان سپہ سالار نے تختوں کو رسی میں جکڑ کر
ایک پل باندھا اور بڑی مشکلوں سے کل اسی سپاہیوں کو ساتھ لیکر

راتوں رات ہلسپنٹ کے پار اترا۔ اتنی قلیل فوج کو لیکر تن تنہا دشمن کے
ملک میں گھس پڑنا کوئی معمولی جرات کا کام نہ تھا۔ وہاں پہونچکر کہتے ہیں
کہ شہزادہ نے ایک کسان کو انعام دیا اور اس کی مدد سے ایک پوشیدہ
راہ سے ہوکر اپنے ساتھیوں سمیت یکا یک زیمپ کے قلعہ میں گھس پڑا اور
چھاپہ مارکر اس کو فتح کرلیا۔ چند ہی روز میں اس مفتوحہ قلعہ میں تین ہزار ترکی
سپاہی بھر گئے۔ قسطنطینہ کا دربار اس وقت ایسے تنازعوں اور جھگڑوں میں
پھنسا ہوا تھا کہ ترکوں کی اس پیش قدمی کی روک تھام کے لئے کوئی کارروائی
نہ کرسکا۔ تخت شاہی کے لئے وہاں خود قیصر پلاآیوگس اور اس کے محافظ
کنٹا کیوزینس میں لڑائی ہورہی تھی اور آخر یہاں تک نوبت پہونچی کہ دونوں نے
بجائے اس کے کہ ترکوں کو یوروپ سے باہر نکالنے کی کوشش کریں
سلطان سے مدد مانگ بھیجی۔ بلکہ کنٹا کیوزینس نے اسی امید پر اپنی لڑکی
تھیوڈورا کو سلطان کی زوجیت میں دیدیا۔ جب شاہزادی حرم سرا میں
داخل ہوگئی تو سلطان نے پھر شاہزادہ سلیمانؑ کے زیر کمان اپنے خسر کی
مدد کو فوج روانہ کی جس نے جاکر پلاآیوگس کو شکست فاش دی اور چند
مقاموں پر قبضہ کرلیا۔

ادھر تو یوں ہی یونانیوں کی خانہ جنگیوں سے ترکوں کو یوروپ میں
اپنی حکومت قائم کرنے کے موقع مل رہے تھے۔ اُدھر ایک اور واقعہ ہوا
جس سے معلوم ہوتا تھا کہ مشیت ایزدی ہی یہی تھی کہ ترکی فتوحات کے
رستے کھلیں۔ چنانچہ ۱۳۵۰ء میں ایک عظیم زلزلہ برپا ہوا جس سے تھریس
کے کتنی شہر مسمار ہو گئے جن میں گیلی پولی بھی تھی۔ اس کی دیواریں گر پڑیں
تھیں اور لوگ اپنے اپنے مکان چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ عین اس عالم رستخیز میں
سلطان کی فوج قاہرہ نے کوچ کیا اور شہر پر آکر قبضہ کر لیا۔ شہنشاہ قسطنطنیہ نے بہت
کچھ فریاد کی مگر سلطان کو وہاں سے نہ ٹلنا تھا نہ ٹلا۔ اسنے یہ جواب دیا کہ زلزلے سے یہ بات
ثابت ہو گئی ہے کہ خود پروردگار عالم نے مجھے یہ شہر بخشا ہے۔ پھر ایسی حالت میں
میری سپاہ مقام مفتوحہ کو کیونکر چھوڑ سکتی ہے۔ کنٹاکیوزینس اس
جواب کو سنکر کیا جواب دے سکتا تھا۔ اس کے داماد جان پلیالیوگس کے
حملوں نے اس کو اس قابل نہ چھوڑا تھا کہ ایسے مہیب دشمنوں سے برسر
پیکار رہوتا۔ رفتہ رفتہ ہلسپنٹ کے سارے ساحل پر ترکوں کا تسلط ہو چلا
تھا مگر سلطان کو آخر موت نے آگھیرا اور اس نے کشورستانی کی ذمہ داری
کو اپنے اولوالعزم بیٹے مراد کو سونپکر ۱۳۵۹ء میں دنیا سے کوچ کیا۔

پانچواں باب

سلطان مُراد اول

باپ کی موت پر شہزادہ مراد تخت نشین ہوا۔ چونکہ ترکی فتوحات کی بڑھتی ہوئی رو کو دیکھکر عیسائیوں کی آنکھیں کھل گئی تھیں اس لئے اس کے عہد میں شاہان ہنگیری و پولینڈ اور بوسینا سربیا اور والاشیا کے شہزادوں نے اتفاق کرکے یوروپ میں ترکی حکومت کا خاتمہ کر دینے کی غرض سے ایک بڑی بھاری فوج تیار کی۔ عیسائیوں کی متعدہ فوجوں اور لشکر سلطانی کا مقابلہ سنہ ۱۳۶۴ء میں اڈریانوپل کے قریب دریائے مرتزا کے ساحل پر ہوا۔ تعداد میں عیسائی مسلمانوں سے دگنے تھے لالا شاہین ترکی فوج کا سپہ سالار تھا۔ ایک خونریز جنگ ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترکوں نے عیسائی فوجوں کو جو نہایت

دعویٰ کے ساتھ میدان جنگ میں آئی تھیں گھیرے اور ککڑی کی طرح کاٹ ڈالا۔ اس وقت تو ترکوں نے اس فتح پر قناعت کی مگر سلطان نے اپنے دل میں یہ ٹھان لیا تھا کہ عیسائی حکومتوں کو اس مخالفانہ اتحاد کا مزہ چکھا کر رہونگا۔ رفتہ رفتہ اس کی فوج مقدونیہ پر مسلط ہوتی گئی اور ایک بڑے حصے کو دبا لیا۔ پھر ۱۳۸۵ء میں شمال کی طرف کوچ کر کے کوہ بلقان پرسے گذر کر نیسا پر چڑھ دوڑی جو قسطنطین اعظم کی ولادت گاہ اور سربیا کا ایک نہایت مستحکم شہر تھا۔ آخر پچیس دن کے محاصرے کے بعد شاہ سربیا نے اطاعت قبول کر لی۔ صلح کی شرط یہ تھی کہ وہ سالانہ بارہ من چاندی اور ایک ہزار سپاہ سلطان کی خدمت میں بھیجا کرے۔

جب سربیا کی یہ گت دیکھی تو بلغاریہ کا تاجدار پہلے ہی سے اپنی آبرو بچانے کی فکر کرنے لگا۔ اس نے فوراً سلطان کو یہ کہلا بھیجا کہ حضور والا کی اطاعت کرنی ہمیں بسر و چشم منظور ہے۔ امید ہے کہ جہاں پناہ ہماری جان بخشی فرمائینگے۔ اس نمائشیہ برداری کے ثبوت میں اس نے اپنی لڑکی کو بھی سلطان کی نذر کیا۔ اور یوں جان کی امان پائی۔ یہ رعب سلطانی دیکھکر شہنشاہ قسطنطنیہ نے بھی اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ سربیا اور بلغاریا کی

تقلید کرے۔ چنانچہ اس نے بھی اپنے کو سلطان کے زیر سایہ دولتہ ترکیہ
کا محکوم قرار دیدیا۔

کوئی چودہ سال تک عیسائیوں نے ترکوں کے مقابلے میں آنے کی جرات
نہ کی۔ مگر اس عرصے میں وہ ایک دوسری جنگ کی تیاریوں میں ضرور مصروف
رہے ہونگے ورنہ جنگ کسا وا کی نوبت نہ آتی۔ ترکوں نے اگر خفیہ طور پر
عیسائیوں کی حرکتوں کی خبریں رکھی ہوتیں اور یہ کوشش کی ہوتی کہ عیسائی
تاجدار آپس میں اتفاق نہ کرنے پائیں تو عیسائیوں کا یہ دوسرا اتحاد غیر ممکن
ہوتا۔ کیونکہ ترکوں کا جزیرہ نمائے بلقان میں کچھ ایسا رعب چھایا ہوا تھا۔
کہ کم سے کم سربیا اور بلغاریا تو ان کے خلاف تلوار اٹھانے سے باز رہتے۔
یہ ممکن ہے کہ کل فرقے جنگ کرنے پر تلے ہوئے تھے اور جنگ ہو ہی کر رہتی پھر
بھی متحدہ طاقتوں کی نسبت متفرق قوتوں کو مغلوب کرنا زیادہ آسان ہوتا۔
کشور ستانی کے جوہر دو ہیں۔ شجاعت اور دور اندیشی۔ مردانگی دیکھا کر
فتوحات کرنے ممکن ہیں مگر ان فتوحات کے استحکام کے لئے دماغ کی اعلیٰ
قوت سے مدد لینی ضروری ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مسلمان فاتحین وسط
افریقیہ کے وحشی تھے جن میں بجز بہادری کے اور کوئی صفت نہ تھی۔ کیونکہ جو قوم

سیاست کی حکمت میں ماہر نہ ہوتی اس کی سطوت پرانی دنیا کے پورے قلب پر کیونکر صدیوں قائم رہ سکتی تھی۔ مگر میرا رونا یہ ہے کہ اسلام کے کشورستانوں نے دور اندیشی سے جو حضرت ابوالبشر علیہ کی اولاد کی بہترین صفات میں سے ہے بہت کم فائدہ اٹھایا۔ یہ اسی غفلت کا نتیجہ تھا کہ مغلوب قومیں ان پر مسلط ہوتی گئیں اور ان کی حکومتوں کا صفحۂ ہستی سے نام و نشان مٹتا گیا۔ محکوم قوموں اور مغلوب فرقوں کو سر اٹھانے سے باز رکھنا کبھی ان کی مصلحت نہیں رہا۔ وہاں تو ہمیشہ یہ خیال رہا کہ "بندھے ہوئے شیر کو کھول دینا چاہیئے اور دشمن سے کہدیا جائے کہ وہ اپنی بساط کے موافق کوشش کرلے۔ بزدلی پر ہزار لعنت ہے" حیف کہ اس بیجد دلیری نے ہمارا ستیاناس کردیا۔ ہاں اے اندلس کے الحمرا! تو مسلمانوں کی اس کوتاہ اندیشی کی شہادت دے اور اے ہندوستانِ جنت نشان کے ایوانہائے عالیشان! تم بھی۔

الغرض ۱۳۸۹ء میں پھر عیسائیوں نے اتحاد کر کے ترکوں سے مقابلہ کرنے کے لئے ایک جرار اور عظیم الشان لشکر تیار کیا۔ جزیرہ نمائے بلقان اور گرد و نواح کی کل جنگجو قومیں اس جنگ میں شریک ہونے کی غرض سے

کسا وا کے میدان میں جمع ہوئیں اور دونوں فوجیں دریائے شنیزا کے دونوں سواحل پر ایک دوسرے کے مقابل آکر ٹھہریں۔ عیسائی شمال کی طرف تھے اور ترک جنوب کی جانب۔ متحدہ فوجوں کا قلب لزارس شاہ سربیا کے زیر کمان تھا۔ اور میمنہ اور میسرہ لزارس کے بھانجے اور شاہ بوسنیا کے ماتحت تھے۔ ترکی فوج کے قلب میں خود سلطان مراد بامراد سپہ سالاری کر رہا تھا اور دائیں اور بائیں اس کے بیٹے شہزادے بایزید اور یعقوب تھے۔ شہزادہ حیدر توپخانہ لئے ہوئے ایک پہاڑی کے اوپر ان کے عقب میں تھا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو دونوں فریقوں نے نہایت جوش میں آکر ایک دوسرے پر حملہ کیا۔ اور ایک قیامت برپا ہوئی۔ میسرہ کے ترک کچھ منتشر ہوا چاہتے تھے کہ شہزادہ بایزید ایک آہنی گرز ہلاتا ہوا دشمن کے عین قلب میں گھس پڑا اور جو سامنے آپڑتا تھا گرز کے ایک ہی ضرب سے اس کو گرا دیتا۔ اس کا اس بلا کا جوش تھا کہ ہنگامہ کارزار پھر نئے سرے سے گرم ہوا۔ اور ایسا عظیم معرکہ ہوا کہ تاریخ یوروپ میں ہمیشہ یادگار رہیگا۔ چاروں طرف ایک غضب چھا رہا تھا۔ سپاہیوں کے زرہ بھالے اور برچھے بجلی کی طرح چمک رہے تھے۔ تیر اس کثرت سے چلائے جا رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا گویا آسمان

سے برس رہے ہیں۔ حربے کی جھنکار گھوڑوں کے ہنہانے اور لوگوں کے شور و غل نے ایک ایسا ہیبت ناک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا کہ پہاڑوں کے وحشی درندے تک خوف کے مارے سگ دیوانہ ہو رہے تھے۔ آخر ایک خونریز جنگ کے بعد جس میں فریقین کی ہزاروں سپاہ کام آئی دوپہر کے وقت عیسائیوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ اور وہ سراسیمہ ہو کر بھاگے۔ ترکوں نے تعاقب کیا اور ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتارا۔

اس ہنگامہ جنگ کی حالت میں ایک سربی بزدل نے کسی ضروری امر کے حیلے سے سلطان مرآد سے ملاقات کرنی چاہی۔ جب وہ سامنے لایا گیا۔ کمبخت نے یکایک جھپٹ کر سلطان کے جسم میں خنجر بھونک دیا۔ قاتل کے تو محافظوں نے ٹکڑے اُڑا دیے مگر فاتح کسووا جانبر نہ ہو سکا۔ موت کے قبل سلطان فوج کو آخری حملے کا حکم دیچکا تھا اور یہ کہدیا تھا کہ لزارس شاہ سربیا کا سر اڑا دیا جائے۔ اس نیک نہاد اور جری سلطان نے سرسٹھ سال کی عمر میں اکتیس برس کی سلطنت کے بعد دنیائے فانی سے رحلت کی۔ دولۃ عثمانیہ کو اس نے وہ وسعت اور عظمت بخشی تھی کہ اعظم کے لقب کا سزاوار تھا۔ فیاضی اور جوانمردی اس کی فطرت کے دو خواص تھے۔ مگر افسوس ایک

بزدل کے ہاتھ سے اس کی قیمتی اور شاندار زندگی کا خاتمہ ہوا۔ اور طرفہ یہ ہے کہ اس بزدل کو سربیا والے اپنا ہیرو سمجھتے ہیں۔

سلطان مرادؔ کی موت پر میدان جنگ ہی میں شہزادہ بایزید کی تخت نشینی کا اعلان کردیا گیا۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اس بدبخت نے کچھ تو حسد کی وجہ سے اور کچھ احتمال بغاوت پر اپنے بھائی یعقوب کو جو تھوڑی ہی دیر پہلے اس کے پہلو بہ پہلو دشمن کے ساتھ نہایت مردانگی سے لڑرہا تھا قتل کروادیا۔ یہ ایک ایسی جابرانہ کارروائی تھی جس نے اس کے کارنامے کے چمکتے ہوئے ورق پر ایک نہایت سیاہ داغ چھوڑا ہے اور جس کی سزا منتقم حقیقی نے اس کو آخر بہت بری طرح سے دی۔ یعنے ایشیا کے ایک کشورستاں نے آکر اس کو نیچا دکھایا اور اس کی شہرۂ آفاق عظمت کو خاک میں ملاکر اس کی عظیم الشان سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

چھٹا باب

سلطان بایزید یلدرم

بایزید کے سلطان ہوتے ہی مقتول شاہ لزآرس کے بیٹے اسٹیفن نے اس سے صلح کرلی۔ باجگذاری کے علاوہ اس نے جنگ کے وقت سلطان کو فوج سے مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ اور اپنی بہن ڈسپنا کو سلطانہ بننے کے لئے حوالہ کیا۔ سلطان اپنی اس حرم کو نہایت چاہتا تھا اور اسکی خاطر سے اس کے بھائی کو سرویا کا ایک شہر اور قلعہ واپس دیدیا۔

تخت نشینی کے دوسرے سال اس جدید سلطان نے والاشیا پر تاخت کی جس کے فرمانروا نے سنہ ۱۳۹۲ء میں اس کی اطاعت قبول کرلی۔ اس فتح کے بعد خدا معلوم وہ اپنی افواج قاہرہ کو لیکر کس طرف رخ کرتا مگر اس وقت

اس کو یہ خبر پہونچی کہ شہزادہ کرمان نے اس کے ایشیائی صوبجات پر حملہ کیا ہے۔ اتنا سننا تھا کہ جھٹ پٹ وہ اپنے لشکر کو لیکر یوروپ سے روانہ ہوا اور ہلسپنٹ کو عبور کرکے ایشیائے کوچک میں آدھمکا۔ پھر ایک طوفان بنکر اپنے دشمن کے ملک پر ٹوٹ پڑا اور ایک سرے سے دوسرے تک اس کو ویران کر دیا۔

ابھی بایزید ایشیا ہی میں تھا کہ اس کو پھر یوروپ سے جنگ کی نوید آئی۔ اس کی بے باکیوں اور بے پروائیوں نے یوروپ والوں کو پھر جنگ کی تیاری کرنے کا موقعہ دیا۔ چونکہ ہنگیری والے رومن کیتھلک تھے اس لئے جب سے انہوں نے کساوا کے میدان جنگ میں ہزیمت کھائی تھی پوپ روم بھی ترکوں کے خلاف برسر پیکار ہو گیا تھا۔ چنانچہ شاہ ہنگیری کی التجا کرنے پر اس نے ۱۳۹۴ء میں مسلمانوں کے خلاف ایک عام جہاد کا اعلان کر دیا۔ پھر تو یوروپ کے ہر حصے سے عیسائی تاجداروں نے فوجیں بھیجنی شروع کیں۔ مختلف جنگجو قومیں اور بڑے بڑے سالار فوج اس جہاد میں شریک ہونے کی غرض سے آنے لگے۔ فرانسیسی۔ ولاشی۔ بویروی سب آئے اور ایسا عظیم الشان اور قہار لشکر تیار ہوا کہ بلغاریوں کا بھی جو حال ہی

میں ترکوں سے پامال ہوتے تھے اتنا حوصلہ بڑھ گیا کہ وہ فوراً اپنی اطاعت
گزینی کے عہد و پیمان کو توڑ کر متحدہ فوجوں سے جا ملے۔ عیسائیوں کا منصوبہ
یہ تھا کہ ترکوں کو یوروپ سے مار کر نکالدیں اور ارض المقدس کو بھی مسلمانوں
سے چھین لیں۔ ان کا جرار لشکر سربیا کو تاراج کرتے ہوئے آگے بڑھا
کیونکہ شاہ سربیا نے ترکوں سے دغا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ سرحد کے
دو تین ترکی قلعوں پر انہوں نے آتے ہی قبضہ کر لیا۔ اور پھر نکوپولس کی
جانب بڑھے جس کا وہ چھ دن تک محاصرہ کئے پڑے رہے۔ پر بہادر ترکی والی
نے بھی ان کے مقابلے کی ٹھان لی تھی۔ اس نے ان قہار فوجوں کی ذرہ بھی
پروانہ کی۔ اور صاف جواب دیدیا کہ میں تمہارے آگے ہتھیار ہرگز نہیں رکھنے
کا وہ چاہتا تھا کہ سلطان کے پہونچنے تک کسی طرح دشمنوں کے مقابلے میں
جما رہے اور عیسائیوں کا یہ حال تھا کہ سلطان کے آنے کی خبر سنکر ہنستے
تھے کہ بھلا بایزید کو کہیں اتنی جراءت ہوگی کہ ہلسپنٹ کے اس پار آوے
اور یہ کہتے تھے کہ بایزید کی تو کیا بساط ہے کہ ہمارے سامنے میدان جنگ میں
آئے اگر آسمان اس وقت ہم پر گر پڑے تو ہم اپنے نیزوں پر اس کو بھی
سنبھال لیں گے۔ اس گھمنڈ میں وہ اپنے خیموں کے اندر جشن پر جشن منا

رہے تھے جہاں شراب کے دور چل رہے تھے اور بزم عیش گرم تھی۔ کیونکہ اپنے ساتھ وہ بہت سی عورتیں بھی جہازوں پر لاد کر لائے تھے۔ اسی عشرت کے عالم میں قاصدوں نے دفعتہً انہیں آکر یہ خبر دی کہ سلطان بایزید یلغار کرتے گھنٹے کی راہ پر ہے۔ عیسائی سپہ سالاروں نے اس خبر کو بالکل باور نہ کیا اور ہنسنے لگے۔ مگر اس جری سلطان نے کچھ یوں ہی یلدرم کا لقب حاصل نہیں کیا تھا۔ بجلی کی طرح جھپٹتا ہوا ان کے سر پر پہونچ ہی گیا۔ جب جا کر مغرور عیسائیوں کی آنکھیں کھلیں۔

سلطان کے ساتھ کل ساٹھ ہزار نبرد آزما تھے جن کو لیکر وہ حسب معمول قاعدہ کے ساتھ ترتیب وار آگے بڑھتا ہوا چلا آرہا تھا۔ جب عیسائیوں نے ان کو دیکھا تو فرانس کے نوجوان شہزادوں نے غل مچایا کہ فوراً ان پر دھواں دھار حملہ کر دیا جائے۔ مگر سجسمنڈ شاہ ہنگیری نے جس کو ترکوں سے پہلے سابقہ پڑ چکا تھا اور ان کی عادتوں سے واقف تھا اس احمقانہ عجلت کو بہت برا بتایا۔ اس نے کہا کہ ترک اپنی چیدہ فوج کو سب سے پیچھے رکھتے ہیں۔ آدھی لڑائی ہو چکنے کے بعد جب اس تازہ دم فوج سے ہم کو مقابلہ کرنا پڑیگا تو پھر ہمارے چھکے چھوٹ جائینگے۔ مگر فرانسیسیوں کو اپنی تعداد پر اسقدر

گھمنڈ تھا کہ اس معقول اور قیمتی صلاح کی کچھ قدر نہ کی اور چند ترکی قیدیوں کو جو گذشتہ جنگ میں ان کے ہاتھ لگے تھے قتل کرنے کے بعد وہ سلطان کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ اب کل عیسائیوں نے ملکر ترکوں پر حملہ کیا۔ ایک طوفان کیطرح اُٹھے اور ترکوں کی پہلی صف میں گھس کر بے قاعدہ فوج کو تلوار پر رکھ لیا۔ اور چپ وراست شمشیر زنی کرتے ہوئے اور مسلمانوں کی لاشوں کو روندتے ہوئے جاں نثاریوں کے سامنے آپہونچے اور دس ہزار سپاہ کو کاٹ ڈالا۔ جان نثاری اس ہزیمت پر پیچھے ہٹے اور سواروں کی آڑ میں آگئے۔

اس کے بعد عیسائی سواروں نے سلطان کے مشہور رسالہ "سپاہیوں" پر حملہ کیا اور پانچہزار کو شہید کر ڈالا۔ پھر فتح کے نشے میں سرشار ہو کر وہ اور آگے بڑھے اور سامنے کی پہاڑی پر چڑھنے لگے جس کے پیچھے انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ ترکی فوج بھاگتی نظر آئیگی۔ مگر جونہیں وہ اوپر پہونچے یکایک آناً فاناً سلطان کے چالیس ہزار چیدہ اور تازہ دم ترکی نیزہ دار ان کے سامنے نمودار ہوئے۔ اس وقت ان کو شاہ ہنگیری کا کہا یاد آیا مگر اس بے وقت کی ہوشیاری اب کسی مصرف کی نہ تھی۔ ان چالیس ہزار نیزہ داروں نے ایک طوفان بنکر ان پر حملہ کیا اور ایسا دھواں دھار حملہ کیا

کہ سب سے پہلے فرانسیسی جنگجوؤں ہی کے قدم اکھڑ گئے جو لاف و گزاف میں سب سے بڑھکر تھے۔ پھر تو ساری عیسائی فوج میں ایک عام انتشار برپا ہوا میمنہ اور میسرہ کے ہنگیری اور والاشی سراسیمہ ہوکر بھاگے۔ صرف قلب جما ہوا تھا مگر اس پر سلطان کا وفادار دوست اسٹیفن شاہ سربیا پانچہزار سپاہ لیکر ٹوٹ پڑا اور جنگ کا قطعی فیصلہ کر دیا۔ عیسائیوں کی بقیہ فوج کاٹ ڈالی گئی اور ترکوں کو پوری فتح ملی۔ کونٹ سیلی شاہ ہنگیری کو لیکر میدان جنگ سے بھاگا اور ایک وینشین جہاز میں جو ڈینیوب میں عیسائی فوجوں کی تائید کو آیا ہوا تھا جا گھسا۔

فتح کے بعد سلطان جب میدان جنگ میں مقتولوں کو ڈھیر کے پاس سے گزر رہا تھا تو اپنے ہزاروں بہادر جنگ آوروں کی لاشوں کو بے گور و کفن پڑا ہوا دیکھکر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور طیش و غضب میں آکر اس نے یہ قسم کھائی کہ عیسائیوں سے اپنے ان جاں نثاروں کا نہایت سخت انتقام لونگا۔ چنانچہ دوسرے دن جب دس ہزار عیسائی قیدی اس کے سامنے لائے گئے تو اس نے حکم دیا کہ نیورس کا کونٹ جو قید ہوا تھا پیش کیا جائے۔ تاکہ اس کے انتقام کو وہ بچشم خود دیکھے۔ جب نوجوان

امیراس کے حضور میں حاضر ہوا تو سلطان نے اس سے کہا کہ میں چوبیس قیدیوں کا زرفدیہ لیکران کی جان بخشی کردونگا تو ان میں سے کسی چوبیس کا انتخاب کرلے۔ پھر جلاد کو حکم دیا کہ باقی سب کو قتل کر۔ جلاد صبح سے لیکر سہپہر کے چار بجے تک قیدیوں کا سر اڑاتا گیا۔ بایزید کے بیٹے نے ایک کی جان بخشی کرائی اور آخر باقیوں کی بھی اس کے وزرا اور امرا کی بدولت زندگی بچگئی۔ جنہوں نے بہت سمجھا بجھا کر سلطان کے غصے کو فرو کیا اور یوں قتل موقوف ہوا۔

رہائی یافتہ قیدیوں نے سلطان کو ایک اقرار نامہ لکھدیا جس میں یہ درج تھا کہ فرانسیسی قیدی اس بات کا حلف اٹھاتے ہیں کہ پھر سلطان کے خلاف کبھی تلوار ہاتھ میں نہ لینگے۔ مگر عالی حوصلہ سلطان کی رائے میں چونکہ اس شرط سے فاتح کی کم حوصلگی کا اظہار ہوتا تھا اس نے اس شرط کو منسوخ کردیا اور جب نیورس کا کونٹ اس کے پاس رخصت ہونے کے لئے آیا اور کہا کہ میں ان عنایتوں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جو حضور والا نے دوران قید میں مجھ پر فرمائی ہیں اور جن کا میں نہایت ممنون ہوں۔ تو سلطان نے یہ جواب دیا۔ "جان! میں جانتا ہوں کہ تو ایک بڑے امیر کا بیٹا ہے

اور خود بھی ایک بڑا امیر ہے۔ پہلے ہی پہل جوانی میں جبکہ تونے تلوار کھینچی تجھے یہ شکست نصیب ہوئی۔ اس ذلت وندامت کی تلافی کی تجھ کو ضرور بڑی خواہش ہوگی۔ خیر جا میں تجھے کسی شرط پر مجبور نہیں کرتا۔ کیونکہ مجھ کو نہ تو تیری قسموں کی پرواہ ہے اور نہ تیری طاقت کی۔ اپنی سپاہ کو فراہم کرکے مجھ سے لڑنے کو پھر لشکر تیار کر بایزید بڑی خوشی سے پھر تجھ سے میدان جنگ میں ملیگا"۔ ایسے خطرناک دشمنوں کو قبضے میں لاکر بغیر کسی شرط کے رہا کر دینا اور پھر ایسی بے باکی جتانی بایزید ہی جیسے سلطان کا حصّہ تھی۔

محاربہ نکوپولس سے جس میں دراصل سارے یوروپ کو شکست ملی تھی کل اطراف میں سلطان بایزید کی دھاک بیٹھ گئی۔ مشرق کے تاجداروں کو اس نے اس جلیل القدر فتح کا مژدہ بھیجا اور ساتھ ہی ساتھ عیسائی غلام بطور تحفے ان کے ہاں ارسال کئے۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ وہ جنوبی یونان میں پہونچ گیا اور وہاں بھی اپنا تسلط جمالیا۔ پھر شہنشاہ قسطنطنیہ کو فرمان بھیجا کہ اپنے دارالحکومت میں ایک مسجد تعمیر کرائے اور مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے لئے دینیات کا ایک مدرسہ اور شرعی انصاف کے لئے ایک

دار القضا قائم کرے۔ قیصر کی قیصری اب رہی کہاں تھی۔ زمانے
سے سلطان کا باجگذار بن چکا تھا ارشاد ہمایونی کی تعمیل میں فوراً سر
تسلیم خم کیا۔ یہ ہیبت تھی اسلام کی جو عیسائیت کے قلب میں
علی الاعلان ظاہر ہو رہی تھی اور کچھ عجب نہ تھا کہ اگر قضا و قدر نے
اس کے امور میں دخل نہ دیا ہوتا تو یہ برق رفتار کشورستاں یوروپ
کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دھوئیں اڑا دیتا۔ مگر خدا کی یہ
مرضی نہ تھی کہ ترکوں کا اقبال ابھی پورے عروج پر ہو۔ کیونکہ ان ایام میں
کچھ ایسے آثار پیدا ہونے لگے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں کی
دامن حشمت میں داغ لگنے والا ہے۔ یعنے جہاں یوروپ میں ایک طرف
ترکوں کے فتوحات پر فتوحات ہو رہے تھے دوسری طرف ایشیا میں ایک
اور طاقت نے نمودار ہو کر قیامت برپا کر رکھی تھی۔ میری مراد تیمور سے
ہے امیر صاحبقران۔ اگرچہ وہ بھی ایک مسلمان فاتح تھا مگر اسلام کے
حق میں اس کی تلوار سے جتنا فائدہ ہوا اس سے زیادہ نقصان پہونچا۔
سینکڑوں غیر اسلامی حکومتیں اس نے فتح کیں تو ہزاروں اسلامی
دولتوں کو غارت بھی کیا۔ یہ ہے مختصر تاریخ اس کوتاہ اندیش جنگجو کی جو

صاحبقراں کہلاتا ہے۔

جوں جوں ان دو شہنشاہوں کے فتوحات بڑھتے گئے ان کی مملکتیں ایک دوسری سے قریب ہوتی گئیں اور ایسا اتفاق ہونے لگا کہ جانبین کے یہاں سے مغلوب شہزادے ایک دوسرے کی حمایت میں آکر پناہ لینے لگے۔ کچھ تو ان بے خانمانوں کے ابھارنے سے اور کچھ تو طرفین کے غرور و گھمنڈ سے دونوں تاجداروں میں چھیڑ چھاڑ ہونے لگی اور آخر جنگ کی نوبت پہونچ گئی۔ اس وقت تو دونوں غضبناک ہو رہے تھے ان کو کچھ نہ سوجھا مگر ان کی کوتاہ اندیشی نے اسلام کو جو صدمہ پہونچایا تاریخ عالم آجتک اس پر رو رہی ہے یہ ایک وہ وقت تھا جب خدا کی آدھی دنیا اور چار کے تین حصے مخلوق دو مسلمان کشورستانوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ ان کی ہیبت سے پہاڑ کانپتے تھے اور زمین تھراتی تھی۔ کاش یہ دونوں طاقتیں متحد ہو کر دنیا کے ان حصوں پر جو ابتک آزاد تھے حملہ آور ہوتیں تو پھر اسلامی سلطنت کی شان کے آگے رومۃ الکبریٰ کی عظمت ایک ذرہ نظر آتی۔ یہ ایک آفتاب ہوتی اور وہ ایک تارا۔ اس کی وسعت آسمان کی سی ہوتی اور اس کی ایک سحاب پارہ جیسی۔

پچاس سال اور پیشتر قسطنطین اعظم کا شہر مسلمانوں کے زیرنگیں آچکا ہوتا اور شاید آج مسکوی قوم بحر اسود کے ساحل تک نہ پہنچی ہوئی ہوتی نہ جزیرہ نمائے عرب میں ایک اجنبی پھریرا لہراتا۔ نہ وادی نیل میں عیسائی طاقتیں باری باری حکومتیں کرتیں مگر خدا کی مرضی ایسی نہ تھی مشیت ایزدی نے کچھ اور مقرر کر رکھا تھا۔ کیونکہ اس وقت آفتاب رسالت کو دنیائے اسلام کے سر پر سے ہٹ جانے کو صدیاں گذر چکی تھیں اور فاتحین اسلام بجائے اس کے کہ خلفائے راشدین کی طرح اپنے کو اسلام کے مشنری سمجھتے سب کے سب جاہ و جلال کے نشے میں مخمور تھے جس میں شخصیت کا عنصر سب سے زیادہ پایا جاتا تھا۔

آخر انگوریہ کے میدان میں ۱۴۰۲ء کی ۲۸ رجولائی کو ان دو شہنشاہوں کا آپس میں مقابلہ ہوا۔ تیمور کی فوج سلطان کی فوج سے دگنی تھی اپنے ساتھ وہ آٹھ لاکھ سپاہ لیکر میدان جنگ مین آیا تھا جس میں ایشیا کے مختلف جنگجو فرقے اور خونخوار قومیں موجود تھیں۔ ایک نہایت خونریز جنگ ہوئی جس میں امیر تیمور کو پوری فتح ملی۔ اور بایزید مغلوب ہو کر گرفتار ہوا۔ مگر بدنصیب سلطان اس ذلت و خواری کو زیادہ دنوں تک

سہ نہ سکا۔ اندوہ وغم کے مارے اس کا دل ٹوٹ گیا اور اس نے بہت
جلد اس سرائے فانی سے کوچ کیا۔ مگر ایک ایسی نیم جان سلطنت
چھوڑ گیا جس کا نہ کوئی والی تھا نہ جس کی دوبارہ زندگی کا کچھ گمان



ساتواں باب

سلطان محمد اول

تیمور سارے ملک کو تاخت و تاراج کرکے اور کل انتظام کو درہم برہم کرکے چلدیا اور صلیب ہلال پر ہنسنے لگی۔ عیسائیوں کو خدا نے اس وقت بالکل اندھا کردیا تھا ورنہ اگر وہ چاہتے تو آسانی سے اپنے پرانے دشمنوں کی قوت کا ہمیشے کے لئے خاتمہ کردیتے۔ مگر اس غالب اور حکمت والے کے راز کو کوئی کیا سمجھے۔ یہ کس کو امید تھی کہ پروردگار عالم کے ایک اشارے پر دولتہ ترکیہ کے مردہ جسم میں نئی روح پھونکی جائیگی اور ہلال ایک زمانے تک پھر چمکے گا اور پہلے سے زیادہ آب و تاب سے چمکیگا۔

تاتاری فاتح کی مراجعت کے بعد بایزید کے بیٹوں کو خانہ جنگی کی

سوجھی۔ شہزادہ محمدؒ نے ایشیا میں اپنا سکہ جما لیا۔ شہزادہ سلیمان نے اڈریانوپل میں اپنی تاجداری کا اعلان کر دیا۔ شہزادہ عیسٰی نے بروصہ اور ایشیائی صوبجات پر قابض ہو بیٹھا۔ اور شہزادہ موسٰی نے اپنے باپ کو بروصہ میں دفن کرنے کے بعد اپنا حصہ لینے کے لئے میدان میں آموجود ہوا۔ مگر اکثر تاریخی واقعات کے برخلاف اس خانہ جنگی سے عثمانی حکومت کو تنزل کے بجائے ترقی ہوئی کیونکہ اگر وراثت کے حق کا خیال کیا جاتا تو محمدؒ کو جو سلطان کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا تاج شاہی پہونچ نہ سکتا تھا اور بایزید کی نیم جان سلطنت کے بکھرے ہوئے شیرازوں کو ایک نظام کے موافق ترتیب دینے کے لئے شہزادہ عالی تبار محمدؒ سے بڑھکر اس کا کوئی بھائی قابل نہ تھا۔ واقعات بھی کچھ ایسے ہوتے گئے کہ اس کو اپنے کل بھائیوں سے جنگ و جدال کرنے کا اتفاق ہوا۔ چنانچہ شہزادہ سلیمان کو اس کی بیرحمی اور ظلم کے سبب سے اس کی فوج نے مار ڈالا۔ شہزادہ موسٰی نے اس کی حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور سربیوں کے ملک پر تاخت کی پھر اسکو غارت کرکے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔ شہنشاہ نے شہزادہ محمدؒ کو اپنی تائید کو بلایا۔ محمدؒ نے پہلے پہل کئی شکستیں کھائیں مگر آخر اپنے باپ کے قدیم دوست

اسٹیفن شاہ سربیا کی مدد سے بھائی کی فوج کو مغلوب کیا اور موسیٰ بھاگتا ہوا راستے میں مارا گیا۔ عیسیٰ جس نے بروصہ پر قبضہ کر لیا تھا وہ بھی کہیں غائب ہو گیا تھا۔ اس لئے آخر شہزادہ محمد ہی کل سلطنت کا تنہا مالک ہو گیا۔

سلطان محمد کو خانہ جنگی کی آگ کو فرو کرنے کے بعد سلطنت کے نظم ونسق کے لئے صرف آٹھ ہی سال ملے تھے مگر اس قلیل مدت کے اندر اس نے سلطنت میں ایک نئی روح پھونکدی۔ باپ کی مملکت جو تباہ ہو چکی تھی اس کے سنبھالنے میں اس نے حیرت انگیز قابلیت دکھائی اور مرتے وقت اس کو اسقدر مستحکم چھوڑا کہ گویا جنگ انگوریہ کا مہلک واقعہ ہوا ہی نہ تھا۔ چونکہ اس عالی دماغ مدبر سلطان نے یہ خوب سمجھ لیا تھا کہ اس وقت سلطنت ترکی کا مدار حیات اسی مصلحت پر ہے کہ جہانتک ممکن ہو جنگ سے پرہیز کیا جائے۔ اس لئے آغاز ہی سے اس نے صلح و آشتی کی روش اختیار کر لی تھی اور آنکھ بند کئے ہوئے انتظام حکومت میں سرگرم رہا۔ شروع شروع میں اس نے گو چند بار عیسائیوں سے شکستیں کھائیں اور بحری لڑائی میں بھی ایک دفعہ وینس والوں سے مغلوب

ہوا پھر بھی اپنے فرض کو ترک نہ کیا۔ نہ انتقام کی اس کو پروا تھی اور نہ کشورستانی کی خواہش۔ اگر کوئی فکر اس کے دامنگیر تھی تو بس یہی تھی کہ باپ کی پرانی حشمت کو از سر نو قائم کرے اور ہلال پھر ہوا میں اس آن بان سے فرائے بھرے کہ صلیب جواب اس پہ ہنس رہی ہے دیکھکر نگاہیں نیچی کرلے۔ شہنشاہ قسطنطنیہ سے تو اس نے صلح کرہی لی تھی اور دیگر عیسائی دولتوں سے بھی اسقدر موافقت پیدا کی کہ سربیا۔ والاشیا۔ اور البانیا کے تاجداروں نے اس کے ہاں اپنی دوستی کے اظہار میں سفرا بھیجے۔ ایشیا میں البتہ اس کو مجبوراً جنگ کرنی پڑی کیونکہ شہزادہ کرمان نے جس کو تیمور اس کے آبائی تخت پر بٹھا گیا تھا سر اٹھایا اور ترکی حکومت پر چڑھائی کردی۔ سلطان نے اس کو جاکر بہت جلد شکست دی اور اگرچہ اس وقت حکومت کرمان کو وہ بہت آسانی سے اپنی سلطنت میں شامل کرلے سکتا تھا مگر اس نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ فی الحال مغلوب شہزادے کی اطاعت ہی پر قناعت کی جائے اور اسکی مملکت چھوڑ دی جائے۔

۱۴۲۱ء میں سلطان محمد نے وفات پائی اور بروصہ میں سبز مسجد

کے قریب جو اس نے خود بنوائی تھی دفن ہوا۔ اس کے کارنامے اگلے سلاطین سے کچھ نرالے ہیں کیونکہ پروردگار عالم نے اس کو ایک نرالے فرض کی ذمہ داریاں سونپی تھیں۔ صلح شعاری اس کی فرمانروائی کی سب سے بڑی خصوصیت تھی اور علاوہ چند واقعات کے جو اس کے ذاتی اغراض سے منسوب تھے اس کا زمانۂ حکومت زیادہ تر امن وامان ہی سے گذرا۔ ایک جابرانہ کارروائی تو اس کی یہ تھی کہ اپنے بھائی قاسم کی آنکھیں نکلوا ڈالیں جو اس کے بھائیوں میں سے ایک ہی بچ رہا تھا اور دوسری یہ کہ اپنے ایک مرحوم بھائی شہزادہ سلیمان کے بیٹے کو قتل کروا دیا۔ یہ دو سیاہ حرکتیں سیاسی پہلو سے خواہ کچھ ہی حقیقت کیوں نہ رکھتے ہوں اس کی سیرت عمل میں داغ لگائے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ باوجود ان دو چار خطاؤں کے سلاطین ترکی میں سلطان عثمان بانی حکومت کے بعد ہی اگر کسی کا پایہ ہے تو اسی عالی دماغ عثمان ثانی سلطان محمد کا ہے۔ سرزمین یوروپ میں ترکی دارالحکومت سب کے پہلے اسی نے قرار دیا۔

آٹھواں باب

سلطان مراد ثانی

شہزادہ مراد اپنے باپ کے مرنے کے بعد سلطان مراد خاں ثانی کے لقب سے کل اٹھارہ سال کی عمر میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ شاہنشاہ قسطنطنیہ نے اس ناتجربہ کار سلطان کی تخت نشینی کی خبر بڑی بے پروائی سے سنی اور اس کو پریشان کرنے کے لئے سلطان بایزید کے ایک مصنوعی بیٹے مصطفٰے کو جو اس کے یہاں نظربند تھا رہا کر دیا۔ قیصر مانویل نے بڑی سخت غلطی کی کہ یلدرم کے پوتے کی طاقت کا اندازہ اس کی عمر سے کیا کیونکہ اسی ہیژدہ سالہ نوعمر سلطان نے فوراً اپنے مصنوعی چچا کا مقابلہ کر کے اس کو گرفتار کر لیا اور اسے پھانسی دلوا کر خود شہنشاہ

کی گوشمالی کو کوچ کیا اور قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا۔ اس کی کامیابیوں سے یہ امید ہو رہی تھی کہ عنقریب روم کی مشرقی حکومت کا پایۂ تخت مسلمانوں کے زیرنگیں آنے والا ہے۔ مگر ان ہی ایام میں ایشیائے کوچک سے خبر آئی کہ سلطان کے بھائی نے بغاوت کی ہے۔ اسلئے مجبوراً سلطان کو محاصرہ اٹھا کر ایشیا کی طرف رخ کرنا پڑا۔ وہاں جاکر اس نے اپنے بھائی کو شکست دی اور پھر یوروپ واپس آیا۔ قیصر قسطنطنیہ کی اب آنکھیں کھل گئی تھیں اور چونکہ اس نے ایک خراج کثیر دینے کی شرط پر سلطان سے صلح کرلی سلطان مراد دوبارہ قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنے سے باز رہا۔ اور یوں مشرقی یوروپ کی سرزمین کچھ عرصے تک رزمگاہ بننے کی عقوبت سے محفوظ رہی۔

بدقسمتی سے اس چندروزہ امن وامان کا بہت جلد خاتمہ ہوگیا کیونکہ ترکوں کا قدیم دوست شاہ استیفن مرگیا اور سربیا کا تاج اب ایک ایسے فرمانروا کے سر پر آیا جو ترکوں کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا تھا۔ محاصرۂ قسطنطنیہ کے وقت جب اس نے مراد کی سپہ سالاری دیکھی تو اس پر یہ دہشت غالب ہوئی کہ کہیں یہ نوجوان سلطان آیندہ

یلدرم کی نظیر نہ ثابت ہو کیونکہ اس کو اس کے جد امجد کے سارے جنگی جوہر اس میں موجود نظر آتے۔ اس خوف سے وہ اپنے تخت کی سلامتی کی فکر کرنے لگا اور فوراً شاہ ہنگیری سے اتحاد کرکے ترکوں سے لڑنے کو ایک عظیم الشان لشکر تیار کیا جس میں ہنگیری پولینڈ والاشیا البانیا اور سربیا کے سرباز شریک تھے۔ اس جرار فوج کی سپہ سالاری عیسائیون کے ایک نہایت جری جنگ آزما کے ہاتھ دی گئی جس کا نام جان ہنیدی اس وقت شہرۂ آفاق تھا۔ مورخ اس کی اصلیت کی داستان یوں بتاتے ہیں کہ سجسمنڈ شاہ ہنگیری کی ایک دہقانی حسینہ سے آشنائی ہوگئی تھی اور عیسائیون کا یہ ہیرو "ان کے عیش کا ثمر" تھا۔ اپنی ابتدائی زندگی میں وہ اپنے ملک کی حفاظت میں ترکوں سے لڑتا رہا مگر بعد کو جب اسے کئی بار ترکوں پر کامیابیاں حاصل ہوئیں تو پھر اس کا حوصلہ بڑھ گیا اور سلطان کے سرحد پر وقتاً فوقتاً حملے کرنے لگا۔ آخرش جب یوروپ کے دیگر اطراف میں بھی جنگ کرکے اس نے عیسائی دنیا کو اپنی اعلیٰ سپہگری کے ثبوت دیدیئے تو سب نے اس کے جوہر تسلیم کرلئے اور اکثر اس کو فوجوں کی سپہ سالاری ملنے لگی۔ چنانچہ اسوقت

بھی جب کہ ایک محاربۂ عظیم درپیش تھا عیسائیوں نے متفق ہو کر یہ رائے دی کہ ہنیڈی کے سوا دوسرا کوئی اس قابل نہیں جس کی سرکردگی میں متحدہ فوجیں ترکوں سے مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھیں۔ مگر جب ہم اس بہادر سپہ سالار کے اخلاق اور فطرت پر نظر کرتے ہیں تو اس کی ساری وقعت خاک میں ملجاتی ہے کیونکہ متانت دور اندیشی اور عالی دماغی کے بجائے اس کی طبیعت میں آوارہ مزاجی بے پروائی اور دناءت تھی۔ بیرحمی اور دغابازی اس میں کوٹ کوٹ کے بھری تھی اور شقی القلب اسقدر تھا کہ جب کوئی جشن مناتا تھا تو پہلے قیدیوں کے سر اڑانے کا حکم دیتا تاکہ ان کے نالہ وفریاد سے حظ اٹھائے۔ یہ ہے قصہ جان ہنیڈی کا جس کے سر ایک قوم نے ہیرو کا سہرا باندھا ہے۔

شاہان ہنگری و سربیا کے علاوہ پوپ روم کی طرف سے بھی عیسائیوں کا ایک نہایت معزز پادری کارڈینل جولین اس جنگ میں شریک ہونے کے لئے آیا تھا۔ یوروپ کی یہ متفرق طاقتیں ایک نوعمر سلطان کی مخالفت کے لئے فراہم کی گئی تھیں جنھوں نے آخر حرکت کی اور نیا کے قریب پہونچکر دریائے مرآوا کے ساحل پر ترکوں سے مقابلہ کیا۔ ایک خونریز

جنگ ہوئی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ترکوں نے نہایت ذلت کے ساتھ ہزیمت کھائی اور کوہ بلقان پر بھاگے۔ عیسائی ان کا تعاقب کرتے ہوئے اوپر چڑھے اور بلقان کی جنوب جاکر پھر ان کو شکست دی۔ اس کے بعد وہ اور آگے نہ بڑھے کیونکہ ہنیڈی ایک فاتح کی عزت حاصل کرنے کے لئے بے صبر ہو رہا تھا اس لئے ضرورت سے پیشتر اپنے ملک کو واپس آگیا۔ سلطان مراد نے عیسائیوں سے صلح کر لی اور دونوں فریقوں نے قرآن شریف اور انجیل مقدس کی قسمیں کھا کر دس سال تک جنگ سے باز رہنے کے لئے ایک عہدنامہ کیا۔ جب سلطنت کی طرف سے اطمینان ہوا تو سلطان نے یہ ارادہ کیا کہ اب تخت سے کنارہ کشی کر لوں کیونکہ اسکے بڑے بیٹے کے انتقال نے اسکے دل کو دنیا سے متنفر کر دیا تھا۔ اس لئے تاج شاہی شہزادہ محمد کے حوالہ کر کے اس نے میگنیسیا میں جاکر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اور صرف درویشوں اور فقیروں کی صحبت میں رہنے لگا۔

جونہیں عیسائیوں کو یہ خبر ملی کہ سلطان مراد تارک السلطنت ہو گیا ہے انہوں نے فوراً دغا بازی پر کمر باندھی اور خود پوپ کی ذات مقدس

نے اس دعا کو منظور فرمایا۔ ان بزرگ اور شہنشاہ قسطنطنیہ نے ملکر عیسائیوں کو یہ ترغیب دی کہ عہدنامے کو بالائے طاق رکھدو۔ اور ان کے مشہور مفتی کارڈینل جولین نے یہ فتویٰ دیا کہ کفار کے ساتھ ایفائے وعدہ کچھ فرض نہیں ہے۔ پھر کیا تھا ادنگتے کو ٹھیلنے کا بہانہ مل گیا۔ منصوبہ یہ باندھا گیا کہ غافل ترکوں پر عیسائی یکایک ٹوٹ پڑیں اور ان کی حکومت کی بنیاد تک اکھاڑ پھینکیں کیونکہ انھوں نے یہ خیال کیا کہ اس وقت سلطنت ترکی کی باگ ایک محض طفل ناتجربہ کار کے ہاتھ میں ہے جس کے تخت کو ہلا دینا ہنیڈی سے جنگ آزما کے لئے ایک بائیں ہاتھ کا کھیل ہوگا۔ کہتے ہیں کہ ہنیڈی نے پہلے اس کام میں پس و پیش کیا مگر جب اس کو انھوں نے یہ لالچ دیا کہ تجھے بلغاریا کا تاجدار بنا دینگے تو وہ فوراً راضی ہوگیا۔ الغرض ابھی عہدنامے کو قائم ہوئے پورا ایک مہینا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ فریب سازی کا سارا منصوبہ تیار ہوگیا۔ مگر نامردوں نے اپنی بزدلانہ کارروائی شروع کرنے کے پہلے اس کا انتظار کیا کہ ترک ازروئے عہدنامہ سربیا کے قلعے خالی کردیں۔ ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ

عیسائیوں نے صرف اسی ایک موقعہ پر دغا نہ کی تھی بلکہ اندلس میں بھی انہوں نے ایماندار مسلمانوں کو اسی طرح دھوکہ دیا تھا۔ وہاں بھی ایک کارڈینل ہی نے اسابیلا کو یہ صلاح دی تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کرنے میں کسی قسم کا خیال نہ کرو کیونکہ کافروں کے ساتھ ہر قسم کی بے ایمانی روا ہے۔ تاریخ عالم بھی اس کی شاہد ہے کہ دنیا کے بہتیرے حصوں میں مسلمانوں نے دوسری قوموں کا ہدف دغا بنکر بار ہا زک اٹھائی ہے۔

ترکوں کا عیسائیوں کے ملک سے پیٹھ پھیرنا تھا کہ ہنیڈی نے اپنی فوج لیکران کے پیچھے کوچ کیا۔ شاہ ہنگیری اور کارڈینل جولین اس جنگ میں بھی فوج کے شریک تھے۔ عیسائیوں نے ترکی سرحد پر پہونچتے ہی چند قلعے فتح کر لئے اور بہت سے ترکی سپاہیوں کو تہ تیغ کرکے اکثروں کو پہاڑ کے اوپر سے گرا کر مار ڈالا۔ اسی طرح وہ آگے بڑھتے گئے اور بحر اسود کے ساحل پر پہونچکر جنوب کی طرف رخ کیا اور وارنا میں آکر ترکی فوج سے ہتھیار رکھوا لئے۔ ابھی انہوں نے وارنا فتح کیا ہی تھا کہ ان کو یکایک بلائے ناگہانی کی طرح خود سلطان مراد کی آمد آمد کی خبر پہونچی۔ کیونکہ جب ترکی

امرائے دولت نے عیسائیوں کی دغابازی اور سلطنت کی خطرناک حالت دیکھی تو وہ فوراً میگنیسیا میں گوشہ نشین سلطان کے پاس دوڑ گئے اور التجا کی کہ حضور اس آڑے وقت پر ہماری دستگیری فرمائیں۔ شہزادہ عالی تبار ابھی نہایت کم سن ہیں اور ہنیڈی اور اس جرار لشکر کا مقابلہ کرنے میں جاں نثاروں اور خانہ زادوں کو خداوند عالم کی پشت پناہی کی سخت ضرورت ہے۔ یہ ان کی عین دور اندیشی تھی کہ سلطان مراد کو بلا لائے ورنہ یہ بہت اغلب تھا کہ اس خونریز جنگ میں ان کو نہایت برے دن دیکھنے پڑتے۔ سلطنت کی حالت نازک دیکھکر سلطان کو آخر اپنے گوشے سے باہر نکلنا پڑا اور چالیس ہزار جنگ آزماؤں کو لیکر دشمن کے مقابلے کو کوچ کیا۔ باسفورس کو عبور کرنے کے لئے اسے جلینیوا کے جہاز والوں کو فی سپاہی ایک ایک ڈکٹ[1] دینا پڑا۔ اسی طرح صعوبتیں اٹھاکر اور دولت لٹا کر جھپٹتا ہوا دشمن کے سر پر جا پہونچا اور میدان جنگ میں اتر کر ان کی پیش قدمی روکدی۔

آخر ۱۴۴۴ء کی دسویں نومبر کو دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا عیسائی

---

[1] تخمیناً چھ روپیے ۱۲

فوج کے میسرہ میں ولاشی سوار تھے میمنہ میں ہنگیری کی چیدہ فوج اور فرانسیسی جنگجو۔ قلب میں شاہ ہنگیری مع امرائے دولت ومحافظان شاہی اور عقب میں پولینڈ کے سوار۔ ترکی فوج کی پہلی دو صفیں سوار اور بے قاعدہ پیادوں کی تھیں۔ بیگلر بیگ رومیلیا میمنہ کے کمان پر تھا اور میسرہ بیگلر بیگ اناطولیہ کے زیر ماتحت تھا۔ ان کے پیچھے سلطان مراد خود اپنے جاں نثار یوں اور محافظوں کو لیکر قلب میں تھا۔ جنگ کے پہلے سلطان نے یہ حکم دیا کہ عہدنامے کی ایک نقل نیزے میں باندھکر بلند کردی جائے تاکہ کل عالم کو عیسائیوں کی دغابازی اور نامردی کا حال معلوم ہو اور خداوند برحق صدق کو غالب کرکے کذب کو بری طرح سے پامال کرے۔ جس وقت جنگ شروع ہوئی ہوا کا ایک زبردست جھونکا آیا اور شاہ ہنگیری کے علم کے سوا کل عیسائی پھریروں کو زمین پر گرادیا۔ مگر اس برے شگون کے ساتھ بھی عیسائیوں کا آغاز اچھا ہوا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ ترکوں کو بڑی بھاری شکست ملیگی کیونکہ ہنیڈی میمنہ کو لیکر ترکوں پر ٹوٹ پڑا اور ایسا پرجوش حملہ کیا کہ ترکوں کی صفیں درہم برہم ہوگئیں اور ان کے قدم اکھڑنے لگے۔ میسرہ کے عیسائیوں کو بھی غلبہ ہوا اور شاہ

ہنگیری بھی قلب کو لیکر آگے بڑھا۔ جنگ کا یہ رنگ دیکھکر سلطان نے ہمت ہاردی اور میدان جنگ سے نکل جانے کے لئے گھوڑے کو ایڑ لگایا چاہتا تھا کہ میسرہ کے بیگلر بیگ نے سلطان کی فراری کے مطلب کو تاڑ کر شاہی گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ اور عرض کی کہ برائے خدا حضور ہمیں جنگ کرنے دیں۔ جان نثاریوں کے سپہ سالار نے بیگلر بیگ کی یہ گستاخی دیکھکر جو اس کی عین وفاداری تھی اس کے ٹکڑے کر دینے کو تلوار اٹھائی۔ مگر حسن اتفاق سے دشمن کی طرف کے کسی سپاہی نے اسی وقت آغا کا کام تمام کر دیا۔ اب تو سلطان کو غیرت آئی اور جوش حمیت میں آکر اپنے جان نثاریو کو قدم جمائے رہنے کے لئے للکارا۔ پھر میدان کارزار گرم ہوا اور ترکوں نے کچھ بچا کر دشمن پر حملہ کیا۔ اس عالم رستخیز میں شاہ ہنگری گھوڑے کے مرجانے سے پیادہ پا ہو گیا اور اپنے آپ کو بے بسی کی حالت میں دیکھکر ترکوں کے حوالہ کرنا چاہتا تھا مگر چونکہ ترک عیسائیوں کی دغابازی کی وجہ سے نہایت غضبناک ہو رہے تھے اور یہ قسم کھائی تھی کہ اس جنگ میں کسی دشمن کی جان بخشی نہ کرینگے انہوں نے فوراً شاہ کا سر قلم کر دیا اور سر کو خود سمیت نیزے پر چڑھا کر دشمن کے دکھانے کو بلند کر دیا ان کی اس نمائش نے

جنگ کی کایا پلٹ دی کیونکہ ہنگری کے سرداروں نے جب اپنے مقتول شاہ کا سر دیکھا تو ان کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ بے تحاشا میدان جنگ سے بھاگے۔ ہلنیڈی نے شاہ کے سر کو چھین لینے کے لئے ترکوں پر حملوں پر حملے کئے۔ مگر اس کی کچھ پیش نہ گئی۔ آخر کار ایک جنگ کا رنگ بدلا ہوا دیکھکر وہ مایوس ہو گیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ دوسرے دن صبح کو ترکوں نے ہنگری محافظوں کے دستے پر حملہ کیا اور ایک ایک کو تلوار پر رکھ لیا۔ عیسائیوں میں اب دم نہ تھا اس لئے جنگ کا بہت جلد فیصلہ ہو گیا اور سلطان ذیشان مراد بامراد نے وارنا کے میدان میں ایک عظیم الشان اور جلیل القدر فتح حاصل کی جس سے سلطنت ترکی کی جان بچگئی۔ عیسائیوں کے بہت سے سردار اس مہلک جنگ میں کام آئے اور کارڈینل جولین بھی مقتول ہوا جو میمنہ کی سالاری کر رہا تھا اور اس جنگ کا بانی تھا۔

ترکوں نے اب سربیا اور بوسنیا پر قبضہ کر لیا اور سلطان مراد پھر گوشہ نشیں ہو گیا۔ مگر پھر اس کو جان نثاریوں کی بغاوت کی وجہ سے حکومت کی باگ ہاتھ میں لینی پڑی۔ اس کو دنیا سے نفرت ہو گئی تھی

مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا کہ تیسری بار اسے گوشہ نشینی کا موقعہ ملے۔ شہزادہ محمد نہایت کم سن تھا اور سلطنت اس کی متقاضی تھی کہ جب تک شہزادہ قابلیت کے سن کو نہ پہونچے مراد عالیجاہ اورنگ زیب حکومت رہے۔ چھ سال تک مراد کو شہنشاہی کا بوجھ اپنے سر لینا پڑا۔ اس عرصے میں پھر ایکدفعہ کسووا کی دوسری جنگ میں جان ہنیڈی سے اس کا مقابلہ ہو جس میں ہنیڈی کو بڑی ذلت کی شکست ملی اور جنگلوں کی راہ سے بھاگ کر اسنے اپنی جان بچائی۔

تیس برس چھ مہینے کی حکومت کے بعد انچاس سال کی عمر میں سلطان مراد نے دنیا سے رحلت کی۔ وہ ایک نہایت جری اور رحمدل سلطان تھا اور فتح و ظفر کے کرّو فر پر ہمیشہ امن و امان کی عافیت کو ترجیح دیتا تھا یہی باعث تھا کہ پروردگار عالم نے یوروپ کی مجموعی قوت پر اس کو غالب رکھا۔ جب کوئی نیا ملک فتح کرتا تو اس کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی تھی کہ رعایا کے آرام کا انتظام کرے اس غرض سے وہاں فوراً مدارس شفاخانے۔ مسافرخانے اور مساجد بنانے شروع کرتا۔ ہر سال مکہ معظمہ کے سید زادوں کی خدمت میں ہزار اشرفیاں اور علما کی خدمت میں

ڈھائی ہزار اشرفیاں بطور نذر بھیجا کرتا تھا - یاد الٰہی کے مقابلے میں تخت وتاج کو اسقدر ہیچ سمجھتا تھا کہ عین شباب میں دو دو دفعہ حکومت شاہی کو ترک کرکے عزلت نشینی اختیار کر لی - مگر رب العالمین نے کچھ ایسا فیصلہ کیا تھا کہ بندگانِ خدا کی محافظت ہی میں اس کی زندگی کا زیادہ حصہ گذرا اور ان ہی کی نگرانی میں اس نے جان دی -

---

تیسرا حصّہ

نواں باب

سلطان محمد فاتح

خدیو عالی وقار خسرو نامدار سلطان ذیشان محمد بن مراد ۱۴۲۹ء میں رونق افروز عالم ہوا۔ قدرت نے اس کی طبیعت میں وہ جدّت اور حوصلہ بخشا تھا جس کی معجزہ نمائی ایک قلیل عرصے کے بعد ساری دنیا کے تاجداروں اور فرمانرواؤں نے دیکھی۔ یہ اسی کا زہرہ تھا کہ چوبیس برس کی عمر میں اسلام کے علم کو لیکر شیر کی طرح ڈھاریں مارتا ہوا صلیب کے سینے پر جا کر گاڑ دیا۔ ایام طفلی سے اپنے باپ کے ساتھ ہمیشہ جنگ وجدال میں شریک رہنے کے باعث میدان کارزار اس کی بازیگاہ بن گیا

اور صفوں کو ترتیب دینے کی حکمت اور حملہ آوری اور کشورستانی کے
کے نظام میں اس کو کمال حاصل ہوگیا تھا۔ اس کے علمی جوہر اس کے
سپاہیانہ اوصاف سے کم نہ تھے چنانچہ علاوہ ترکی کے جو اس کی مادری
زبان تھی وہ پانچ علمی زبانوں یعنے عربی۔ فارسی۔ عبرانی۔ یونانی اور لاطینی
سے بہرہ ور تھا۔ اس نے علم کی بڑی قدر کیا کرتا اور اہل علم کی صحبت سے
نہایت ذوق رکھتا۔ خود شاعر تھا اور دوسرے ملکوں کے نامی گرامی شعرا
اس کے وظیفہ خوار تھے جن میں بلبل ہندوستان امیر خسرو دہلوی اور فارس
کے مشہور و معروف شاعر ملا نورالدین جامی بھی تھے۔ یونانی حکومت
کی تسخیر پر تاریخ عالم نے فوراً اس کا نام فاتحین جلیل القدر کی فہرست
میں درج کرلیا اور اس کی عظمت کا پلہ کچھ ایسا گراں ہوگیا کہ بجز نپولین
اعظم کے کل فاتحین متاخرین کے کارنامے اس کی سطوت اور حشمت کی
داستان کے آگے پانی بھرتے ہیں۔

جب شہزادے نے بیسویں سال میں قدم رکھا تو سلطان مراد نے
اس کی شادی ایک ترکمان امیر کی بیٹی سے کردی۔ ابھی شادی کو چار
مہینے نہ ہونے پائے تھے کہ سلطان نے قضا کی۔ دیوان نے فوراً شہزادہ کو

میگنیسیا میں جہاں وہ اپنی بیگم کو لیکر سکون پذیر تھا اس واقعہ کی خبر بھیجی اور یہ بھی اطلاع دی کہ جانثاریوں کی بغاوت کا نہایت احتمال ہے۔ نوجوان شہزادہ یہ خبر پاکر ایک دستہ محافظوں کا لیکر بجلی کی طرح جھپٹتا ہوا یورپ میں آپہونچا۔ اس کے پہونچتے ہی وزرا اور اراکین دولت نے آکر تیسری بار اس کی تخت بوسی کی اور ایشیا اور یوروپ کے کل سفرا اس کو مبارکباد دینے اور اس کی اعانت اور رفاقت کی استدعا کے لئے حاضر ہوئے تخت نشینی کے عرصہ قلیل کے اندر اس نے اپنے ایشیائی صوبجات کا معائنہ کیا اور سرکش کرمانیوں کو نہایت سخت سزا دیکران کی اطاعت پر امان بخشی۔ کیونکہ سب سے پہلے اس کی یہ خواہش تھی کہ ایشیا کی طرف سے اسکو اطمینان کلی حاصل ہوجائے تاکہ اپنے عظیم الشان منصوبہ یعنے فتح قسطنطنیہ کی تکمیل میں اس کو اپنے گھر کی طرف سے کسی قسم کا کھٹکا نہ لگا رہے۔

گو بچپن ہی سے یہ نوجوان سلطان اپنے دل میں یہ ٹھانے ہوئے تھا کہ عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی قسطنطین اعظم کے شہر کو میں اپنی سپاہ کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرونگا اور اسی طرح اس ذلت وشکست کا انتقام لونگا جو عیسائیوں کی دغابازی اوران کی بزدلانہ اتحاد سے مسلمانوں کو

اکثر نصیب ہوئی ہے مگر قیصر قسطنطنیہ کی طرف سے بھی کچھ ایسی چھیڑ چھاڑ ہونے
لگی تھی کہ اسنے اس کی سلطنت کے ملیا میٹ کردینے کا عزم بالجزم کرلیا
اس کے تخت پر بیٹھتے ہی قیصر نے اپنے سفیر سے سلطان کو یہ دھمکی دلوائی کہ
اگر سلطان اپنے بھائی ارخان کا جو اس کے یہاں نظر بند تھا معمولی وظیفہ
جلد ادا نہ کردے گا تو وہ محبوس شہزادے کو فوراً آزاد کردے گا۔ سلطان
یہ دھمکی سنکر نہایت طیش میں آیا مگر اس وقت خاموشی اختیار کرکے اپنے
انتقام کے لئے موقعہ کا منتظر رہا۔۔ اور از روئے مصلحت اسٹرآیمن کے ساحل
پر اپنے ملک کا ایک قیمتی حصہ یونانی حکام کے زیر انتظام اس غرض سے
سپرد کردیا کہ اس کے خراج سے ارخان کا معمولی وظیفہ قیصر کے یہاں
بھیجا جایا کرے۔ مگر چونکہ قیصر کے سر پر قضا کھیل رہی تھی اس سے بھی اسکی
تشفی نہ ہوئی اور اپنے سفیر کو یہ ہدایت کردی کہ سلطان سے کہو کہ وظیفے
کی رقم میں اضافہ کردے۔ یونانی شہنشاہ نوجوان سلطان کو اسکی صغرسنی
کی وجہ سے نہایت حقیر سمجھتا تھا مگر یہ اس کی قابل افسوس حماقت تھی۔
کیونکہ قیصر مانویل نے بھی سلطان کے باپ مراد ثانی کے ساتھ کچھ اسی
قسم کی حرکت کی تھی جس کا نتیجہ شہنشاہ کے حق میں نہایت برا ثابت

ہوا تھا۔ اُس واقعہ سے سلطان محمد ثانی کے ہمعصر کو سبق لینا تھا۔ اسنے ایسی حرکت نہ کی ہوتی جس نے ایک سوتے ہوئے شیر کو جگا دیا اور اسکی حکومت کی زمین کو تھرا دیا۔ جب سلطان کے وزیر خلیل پاشا نے قیصر کے اس مزید مطالبے کو سنا تو وہ عیسائیوں کی بیوقوفی پر افسوس کرنے لگا اور سفیر سے یوں کہا۔ ”اے احمق اور کمبخت رومیو! ہمیں تو تمہاری سلامتی کی تدبیریں معلوم ہیں مگر تم ہی اپنے خطرے سے ناواقف ہو۔ رحمدل مُراد اب نہیں رہا اس وقت اس کے اورنگ شاہی پر ایک ایسا نوجوان فاتح جلوہ افروز ہے جس کو کسی قسم کے قوانین یا کسی طرح کی رکاوٹیں اس کے ارادوں سے باز نہیں رکھ سکتیں۔ اگر اس کے قبضے سے بچ گئے تو خدا کی رحمت کا شکر بجا لاؤ جس کی وجہ سے تمہیں اپنے اعمال کی سزا ملنے میں دیر ہو رہی ہے۔ تم ہمیں کس لئے درپردہ فضول دھمکیاں دیتے ہو؟ فرار شدہ ارخان کو رہا کر دو اسے رومانیا کا سلطان بنا دو۔ ڈینیوب کے اس پار سے ہنگیریوں کو بلا لو اور ہم سے لڑنے کے لئے مغرب کے متفرق اقوام کو مسلح کر لو اور بس یقین جان لو کہ تم نے اپنی زود آیندہ تباہی کے پورے پورے سامان کر لیے“!

اس عرصے میں نوجوان سلطان اپنی کارروائی کے لئے تیار ہو گیا تھا قیصر کی پے در پے شرارتیں دیکھکر اس کے غصے کی آگ بھڑک اٹھی اور اسنے یہ حکم دیا کہ ارخان کا وظیفہ فوراً موقوف کر دیا جائے اور اسٹرایمن کے ساحل سے یونانی حکام نکال دیئے جائیں ۔

اب تو قیصر اپنے خواب سے چونکا اور سمجھ گیا کہ پانی سر پر سے گذر چکا بس عنقریب سلطان کی جرار فوج ہماری طرف کوچ کرتی ہوگی ۔ ابھی یہی خوف اس کا وبال جان ہو گیا تھا کہ سلطان کی ایک اور حرکت سے اس کا رہا سہا ہوش جاتا رہا یعنے موجودہ سلطان کے جد امجد محمد خان اول نے باسفورس کے ایشیائی ساحل پر ایک قلعہ تیار کیا تھا جس کا نام اس نے انادولی حصار رکھا تھا اب اس نئے سلطان نے اسی کے مقابل یوروپی ساحل پر ایک اور بھی مستحکم اور عظیم الشان قلعہ تیار کرنے لگا جس کا نام وہ رومیلی حصار رکھنے والا تھا ۔ قیصر نہایت گھبرایا اور اس کے سفرا سلطان سے کہنے لگے کہ عالی جاہا آپ یہ کیا کرنے والے ہیں آپکے جد بزرگوار نے باسفورس کے ایشیائی ساحل پر جو ان کی اپنی حکومت تھی قلعہ تیار کرنے کے لئے شہنشاہ مانوئیل سے اجازت لی تھی اب آپ جو

اپنی مرضی سے یوروپی ساحل پر اسقدر مستحکم قلعہ بنانے والے ہیں اس سے توکل لاطینی جو بحر اسود میں تجارت کرتے ہیں خطرے میں پڑ جائینگے۔ نوجوان سلطان اس گستاخی پہ نہایت غضب میں آیا اور کہنے لگا۔ "میں قیصر کے دارالحکومت کے خلاف کوئی جنگی کارروائی نہیں کررہا ہوں قسطنطینہ کی سلطنت اس کی دیواروں ہی تک محدود ہے۔ کیا تم یہ بھول گئے ہو کہ تم نے ہنگیریوں سے اتحاد کرکے میرے والد مرحوم کو کتنی زحمت دی تھی۔ انہوں نے ہمارے ملک پر خشکی کی طرف سے حملہ کیا تھا اور فرانسیسی جہازوں نے ہلسپنٹ پر قبضہ کر لیا تھا۔ میرے باپ مراد کو اپنی تلوار کے زور سے باسفورس سے راہ نکالنی پڑی اور آخر تمھاری دشمنی کے برابر تمھاری طاقت نہ نکلی۔ میں اس وقت اڈریانوپل میں ایک بچہ تھا مسلمان دہشت زدہ ہوگئے تھے اور کچھ دنوں تک تم نے ہمیں ذلیل کر رکھا تھا۔ مگر جب وآرنا کے میدان جنگ میں میرے باپ کو تم پر پوری فتح ملی تو اسنے مغربی ساحل پر ایک قلعہ تیار کرنے کی قسم کھائی تھی۔ اس قسم کو پورا کرنا میرا فرض ہے۔ کیا تمہیں کوئی حق ہے یا اس کی مجال کہ میری ہی زمین میں میرے امور میں دخل دو کیونکہ یہ ساری زمین جہانتک

باسفورس کا ساحل ہے میری ہے یعنے ایشیا کی طرف جتنی دور تک
ترکوں کی آبادی ہے اور یوروپ کی جانب جسقدر زمین رومیوں سے
خالی ہے۔ جاؤ اور اپنے شہنشاہ کو اس کی اطلاع کردو کہ موجودہ سلطان
اپنے اجداد پیشین سے بہت مختلف ہے۔ ان کی خواہشوں سے اسکے
عزائم بڑھے ہوئے ہیں اور جتنے مہمات کا وہ محض قصد کرتے تھے ان سے
زیادہ یہ کر گذرتا ہے اب تو سلامت واپس جاؤ مگر دوسرا جو کوئی
اس قسم کا پیغام لیکر آئے وہ پہلے ہی سے یہ جان کر آئے کہ اس کی زندہ
کھال کھینچ لیجائیگی"۔

یہ عتاب وخطاب سنکر قیصر قسطنطین سیزدہم نے ارادہ کرلیا کہ
تلوار میان سے نکالوں اور ترکوں کو آگے بڑھنے اور باسفورس کے
ساحل پر مسلط ہونے سے روکوں۔ مگر اس کے وزرا اور امرا کو اس کی
جرارت نہوتی تھی کہ ترک جیسے مہیب جنگجو ن سے برسرپیکار رہوں
اس لئے انہوں نے قیصر کو خاموش رہنے کی صلاح دی اور کہا کہ حضور
اپنی قسمت پر تکیہ کئے بیٹھے رہیں۔ یہ بات تو محال معلوم ہوتی ہے
کہ استنے پر آباد شہر کے مضافات میں محمد کا قلعہ زیادہ دنوں تک

قائم رہ سکیگا

ادھر ۱۴۵۲ء کی ۲۶۔ مارچ کو سلطان کے قلعے کی تعمیر شروع ہوگئی جس کے لئے اناطولیہ کے معدن سے بیشمار بڑے بڑے پتھر لائے گئے ایک ہزار معمار روزانہ کام کرنے کے لئے مقرر ہوئے اور ہر ہر معمار کے ساتھ دو دو مزدور متعین تھے۔ چونکہ سلطان کے زیر معائنہ سارا کام ہوتا رہا اس لئے یہ مستحکم قلعہ بہت جلد بن بنا کر تیار ہوگیا۔ اس کی شکل مثلث تھی اور ہر زاویے کے متصل ایک دراز اور مضبوط برج تھا جو سلطان کے تین وزیروں کے انتظام سے بنے تھے۔ ان برجوں میں سے ایک تو ایک پہاڑ کے نشیب پر واقع تھا اور دوسرے دو سمندر کے ساحل پر تھے۔ دیواروں کی ضخامت بائیس فٹ تھی اور برجوں کی تیس تیس فٹ اور پورے قلعے کی چاروں طرف فولادی دھس بندی تھی۔ قیصر نہایت دہشت سے اس قلعے کی تیاری کو دیکھتا رہا۔ اس نے سلطان کو اس کارروائی سے باز رکھنے کی سینکڑوں تدبیریں کیں طرح طرح کے تحفے پیش کئے خوشامد کی باتیں کہلا بھیجیں ماہرویاں پریجمال نذر کیں۔ مگر سب بے سود ہوئیں۔ قلعہ کا بننا تھا بن گیا۔

ان ہی ایام میں جبکہ ان دو تاجداروں کا تعلق نہایت نازک ہو رہا تھا ایک نیا واقعہ ہوا جو گویا "سمند ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا" ایک ترکی امیر کے سپاہیوں نے کسی رات کو خدا معلوم کس اتفاق سے اپنے گھوڑے کھلے رکھ چھوڑے تھے جو عیسائیوں کے کھیت چر گئے عیسائی بجائے اس کے کہ سلطان کے پاس اس کی نالش کریں مسلمانوں سے لڑ بیٹھے۔ اور دونوں فریق کے بہت سے لوگ اس تنازع میں کام آئے جب مسلمانوں کے مارے جانے کی خبر سلطان کے پاس پہونچی تو اس نے طیش میں آکر فوراً ایک دستہ فوج کا مجرم عیسائیوں کی سرکوبی کو روانہ کیا جن میں سے بہت سے فرار ہو گئے مگر اکثر تہ تیغ ہوئے قیصر اس واقعہ سے نہایت خوف زدہ ہو گیا اور قسطنطنیہ کے دروازے جو ابتک کھلے ہوئے تھے اس کے حکم سے فوراً بند کر لئے گئے۔ پھر بھی اس کو یہ خیال تھا کہ شاید سلطان میری اطاعت نمائی سے بر سر رحم ہو جائے اس لئے سلطانی غضب کو فرو کرنے کے لئے کل ترکی قیدیوں کو اسنے تیسرے ہی دن رہا کر دیا۔ اور سلطان کے پاس آخری بار یہ عرضی بھیجی۔ "چونکہ نہ قسمیں نہ معاہدے اور نہ آپ کی اطاعت امن قائم

رکھ سکتی ہے اور آپ کی ناروا جنگ کو موقوف کر سکتی ہے میرا بھروسہ صرف خدا پر ہے۔ اگر وہ آپ کے دل میں رحم ڈال دے تو میں اس مبارک انقلاب پر شادی مناؤں گا اور جو وہ میرے شہر کو آپ کے قبضے میں دیدے جب بھی میں رضائے الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کروں گا۔ مگر جب تک سارے جہان کا قاضی ہمارے اور آپ کے درمیان فیصلہ نہ کر دے یہ میرا فرض ہے کہ میں اپنی رعایا کی حفاظت ہی کرنے میں مروں یا بچوں"۔ سلطان کے پاس اس پیغام کا جواب جنگ تھا اس کا ہیبت ناک قلعہ تو تیار ہو ہی چکا تھا اب وہ جنگ کا سامان کرنے کے لئے اپنے دارالحکومت کو روانہ ہوا۔ اپنی مراجعت کے قبل ایک ہشیار آغا کو مع چار سو جاں نثاریوں کے لب سمندر پر یہ حکم دیکر متعین کرتا گیا۔ کہ تمھاری توپوں کی زد کے اندر سے کسی قوم کا جہاز اگر گذرتا ہو تو اسے بغیر خراج وصول کئے نہ چھوڑو ایک وینیشین جہاز نے باسفورس کے اس نئے آقا کے فرمان کی اطاعت نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک ہی گولے سے غرق کر دیا گیا۔ اس کے کپتان اور ملاح ایک کشتی پر سوار ہو کر فرار ہو رہے تھے مگر شمشیر کے پنجے سے رہائی ممکن تھی سلطان کے جاں نثاریوں کے قبضے سے

نکل بھاگنا ممکن نہ تھا۔ وہ فوراً گرفتار کر لئے گئے اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے باب عالی کے آستانہ میمنہ میں حاضر کئے گئے۔

قسطنطنیہ کا محاصرہ سلطان نے آئندہ موسم بہار کے لئے اٹھا رکھا تاہم زمستان کے چند روز نہایت بے صبری سے کاٹے۔ کلید اقالیم کو اپنے ہاتھوں میں لینے کی کچھ ایسی دھن اس کے دماغ میں سما گئی تھی کہ آٹھوں پہر اسی کی آرزو اس کے گلے کا ہار ہو رہی تھی۔ دل بہلانے کو اسنے اڈریا نوپل کے شاہی محل جہاں نما میں اقامت اختیار کی مگر وہاں بھی اس کو کل نہ تھا۔ ایک مرتبہ آدھی رات کو خواب سے چونک کر اٹھ بیٹھا اور اسی وقت وزیر اعظم کو طلب کیا۔ خلیل پاشا اس بیوقت کی طلبی سے نہایت گھبرایا مگر فرمان شاہی بجا لانا ضرور تھا۔ ایک پیالہ اشرفیوں سے بھرا ہوا لیکر حضرت سلطانی میں حاضر ہوا اور ثنا خوانی کے بعد اشرفیاں نذر کیں۔ سلطان اشرفیوں کو دیکھکر خلاف رسم وزیر اعظم سے یوں مخاطب ہوا۔ "یہ ہماری خواہش نہیں ہے کہ تجھ سے اپنے بخشے ہوئے انعام کو واپس لوں بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اور اکرام کروں اور تیرے سر پر ان کا ڈھیر لگا دوں۔ ہاں اپنے

واسطے میں تجھ سے کچھ اور ہی نذر چاہتا ہوں جو ان چیزوں سے کہیں بڑھکر قیمتی اور میرے لئے سزاوار ہے اور وہ قسطنطنیہ ہے۔" وزیر نے دست اطاعت سینے پر رکھا اور عرض کیا۔ "عالیجاہا! جس خدا نے اب تک آپ کو رومیوں کی حکومت کا اتنا بڑا حصہ دے رکھا ہے وہ بقیہ حصہ اور دارالحکومت کو بھی بخشدیگا۔ اس کا فضل و کرم اور حضور والا کی عظمت حضور کی فتح و نصرت کے یقینی آثار ہیں۔ ہم غلامان جان نثار اپنے جان و مال کو حضور کی قدموں پر نثار کرنے کے لئے ہمیشہ تیار ہیں۔" پھر سلطان نے کہا "لالا! میرے تکئے کو دیکھو۔ ساری رات میں عالم اضطراب میں اسے کبھی تو ایک طرف کھینچا گیا اور کبھی دوسری طرف۔ کئی بار میں بستر پر سے اٹھا اور پھر لیٹ گیا۔ مگر نیند کو نہ آنا تھا نہ آئی۔ ذرہ اس بیشمار دولت اور زر و جواہر کا دھیان کرو جو رومیوں کے پاس ہیں۔ سامان حرب میں ہم ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ خدا کی مدد سے اور رسول خدا کی دعا سے انشاء اللہ تعالیٰ ہم عنقریب قسطنطنیہ کے مالک بننے والے ہیں۔" سپاہیوں کی دلی خواہشیں معلوم کرنے کے لئے وہ رات کو گشت

لالہ ترکی میں اتالیق کو کہتے ہیں ۱۲

لباس بدلکر تنہا سڑکوں میں خفیہ گشت لگاتا۔ اور اپنا سارا سارا وقت انوکھے انوکھے منصوبے باندھنے میں گذارتا۔ قسطنطینیہ کے نقشے کو سامنے رکھکر ہر وقت اپنے سپہ سالاروں اور انجینیروں سے مشورے لیتا کہ کون کون سے موقعوں پر توپیں نصب کرلی جاہئیں۔ شہر پناہ کے کس حصے پر حملہ کیا جائے۔ سرنگیں کس جگہ کھودی جائیں اور فصیلوں پر چڑھنے کے لئے کہاں سیڑھیاں رکھی جائیں اور کمندیں ڈالی جائیں۔ پھر دن کو جو جو مشورے ہوتے صلاحیں ٹھہرتیں رات کو وہ دوبارہ ان پر متانت اور فراست کے ساتھ اپنے پرفہم و بے نظیر دماغ کی مدد سے غور و خوض کیا کرتا یہی کیفیت اس عالیجاہ سلطان کی جس کی قسمت میں اسلام کی ایک نہایت شاندار اور جلیل القدر فتح لکھی ہوئی تھی۔

محمد بن مراد اب لشکرکشی پر مستعد ہوگیا تھا جس کے لئے اسنے کل سامان فراہم کرلئے تھے۔ سائنس نے جو جو آلات حرب اسوقت تک ایجاد کئے تھے سب اس کے ہاں موجود تھے۔ توپ سازی کی حکمت میں تو اس کی معلومات لاثانی تھی اور اس فن میں جتنی ترقیاں ہوئی تھیں سب اس کے توپخانے تک محدود تھیں۔ کسی دولت کے پاس اس کا سا

توپخانہ نہ اس وقت موجود تھا اور نہ اس کے پیشتر۔ جرمنی۔ ڈنمارک ہنگری یونان غرض یوروپ بھر کے مشہور مشہور انجنیر اس شاہ جہاں کے انعام واکرام کی طمع سے اس کی خدمت میں آ جمع ہوئے تھے۔ اور یہ ان ہی کی حکمت ومحنت کا نتیجہ تھا کہ سلطان کی اس مشہور ومعروف اژدہا پیکر توپ کی ساخت ہوئی تھی جس کے گولوں نے بعد میں قیصر کی پہاڑ جیسی مستحکم دیواروں کو مسمار کر کے خاک میں ملادیا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ ہیبتناک توپ تین مہینے میں بنکر تیار ہوئی تھی۔ اس کے منہ کا دائرہ بارہ بالشت کا تھا اور اس کے سنگی گولے تیس تیس من کے تھے۔ پہلی بار بطور امتحان اس کو سر کرنے کے لئے ایوان شاہی کے سامنے ایک خالی جگہ منتخب ہوئی مگر مبادا اس کا دفعتہً سر کیا جانا کوئی برا نتیجہ پیدا کرے۔ ایک روز پیشتر سے اس بات کی منادی کردی گئی۔ آخر جب روز متعین کو توپ سر کی گئی تو ساڑھے بارہ میل تک چاروں طرف اس کا دھما کا محسوس ہوا اور باروت کے زور سے اس کا گولہ جو نہایت سنگین اور وزنی تھا ایک میل سے زیادہ دور پر جا کر گرا اور کئی گز تک زمین کے اندر گھس گیا۔ اس مہلک انجن کو میدان جنگ میں لے چلنے کے لئے تیس مضبوط فولادی

چھکڑے آہنی زنجیروں سے باہم جکڑے گئے۔ جن میں ساٹھ ساٹھ بھینس جوتے گئے۔ پھر اس کی ڈگمگاتی ہوئی حرکتوں کو قرار میں رکھنے کے لئے فی جانب دو دو سو آدمی متعین ہوئے۔ اور ڈھائی سو کو ہکنوں اور مزدوروں نے سڑکیں بنانے راستے ہموار کرنے پل باندھنے اور مرمت کرنے کے لئے اس کے آگے آگے کوچ کیا۔ اسی طرح بہایت مشقت کے ساتھ کل ڈیڑھ سو میل کی راہ دو مہینے میں جا کر طے ہوئی

اب وہ وقت آگیا تھا کہ ترک آندھیوں کی طرح چلتے ہوئے بادلوں کی طرح گرجتے ہوئے ہلال کو چمکاتے ہوئے عیسائی دنیا کے افق پر نیر اقبال بنکر طلوع ہوں

دسواں باب

جنگ

جب موسم بہار کے آغاز میں سلطان محمد کا جرار لشکر رومیوں کے مشرقی دار الحکومت کی طرف گولہ باری کے اس ہیبت ناک اور مہلک انجن کو لیتے ہوئے آگے بڑھا جس کی نظیر اس وقت تک دنیا نے نہ دیکھی تھی نہ سنی تھی تو قیصر قسطنطین سیزدہم تمام زمین و آسمان سے مدد کی التجا کرنے لگا۔ مگر نہ فلک کی یہ خواہش تھی اور نہ زمین کی یہ مجال کہ جان نثاریوں کے اس نوجوان سلطان کی کھینچی ہوئی تلوار کو پھیر دے۔ کسی نے ان کی نہ سنی۔ اس کے مقدر کا یہ نوشتہ تھا کہ اسی کے دم سے روم کی

مشرقی حکومت کا چراغ گل ہوگا اور ازل کے فیصلے تغیر پذیر نہیں ہوا کرتے
جوں جوں ترک بڑھتے گئے وہ سارے ملک کو تسخیر کرتے گئے ہاں اطاعت
کا صلہ ان کے پاس امن تھا مگر سرکشی کی سزا غارتگری۔ یعنے جن شہروں
نے فاتح سلطان کے سامنے دروازے کھولدیئے ان کے تو جان و مال بخشے
گئے مگر جنہوں نے مقاومت کا رنگ دکھایا ان کی اینٹ سے اینٹ بجادیگئی
بحر اسود کے ساحل کے کل مقامات نے اس نئے آقائے جہاں کے آگے ہتھیا
ڈالدیئے فقط سلیبریا کے سر پر شامت آئی کیونکہ سلطان کی تھا۔ فوج کا
وہی مزاحم ہوا۔ اس کا فوراً محاصرہ کر لیا گیا مگر سلطان اس وقت موجود
نہ تھا اور اپنے خاص دستوں کے ہمراہ فوج کے پیچھے آ رہا تھا۔ جوں ہی اسکے
پہونچنے کی خبر ہوئی سلیبریا والے تھرا اٹھے اور رضاً شہر کے دروازے
کھولدیئے۔ جب قسطنطینہ کو پانچ میل رہ گئے تو سلطان نے ضرورتاً قدرے
توقف کیا۔ پھر وہاں سے اپنی فوج کو لڑائی کی صفوں میں ترتیب دیکر آگے
بڑھا اور سنٹ رومینس کے دروازے کے سامنے پہونچکر اپنا شاہی علم
نصب کیا اور اقامت کی

آخر ۱۴۵۳ء کی ۲۶ اپریل کو قسطنطنیہ کا مشہور و معروف محاصرہ کا

آغاز ہوا۔ سلطان نے جان نثاریوں کی رجمنٹیں اپنے خیمے کے سامنے مقیم کیں۔ لشکر گاہ کی چاروں طرف خندقیں کھدوادیں اور غلطہ کو اپنی فوج سے گھروالیا کہ اگر وہاں کے عیسائیوں کا ذرہ بھی مخالفانہ رنگ دیکھیں تو فوراً ان کے پرخچے اڑا دیں۔ فیلل فس جو اس وقت یونان کا ایک قدیم باشندہ اور بہت بڑا محقق تھا نہایت وثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ سلطان کے ساتھ جتنے لڑنے والے آئے تھے ان کی مجموعی قوت اسی ہزار سے کسی طرح زیادہ نہ تھی جن میں ساٹھ ہزار سوار اور بیس ہزار پیادہ تھے۔ مگر دوسرے عیسائی مورخ جو اتنی قلیل فوج سے دراصل سارے یوروپ کے شکست کھا جانے کو نہایت ہتک سمجھتے ہیں سلطانی لشکر کی نسبت یہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ سلطان کی خاص فوج چنداں بڑی نہ تھی مگر اس کے پاشاؤں اور امیروں کی الگ الگ سپاہ تھی جن کے علاوہ بھی ایشیا کی بہت سی جنگجو قوموں نے کچھ تو اس کے انعام واکرام کی طمع سے اور کچھ مذہبی جوش کے باعث اسکا ساتھ دیا تھا۔ اور اس گروہ عظیم کو ساتھ لینے سے سلطان کو کم سے کم اتنا فائدہ ہوا کہ اس کے دشمنوں کے قلب پر اس کا رعب چھا گیا۔ مگر مختلف روایات کی چھان بین سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کی خاص فوج ساٹھ ہزار

تھی جس میں چالیس ہزار جان نثاری تھے۔

سلطان کی بحری طاقت برائے نام تھی اور اس نام کے عظیم الشان بیڑے میں زیادہ تر پال والی کشتیاں ہی تھیں جو صرف سامان رسد اور تازہ فوج پہونچانے میں مدد دے سکتی تھیں۔ عیسائیوں کا بیڑا بمقابلہ ان کے نہایت قوی اور مرتب تھا۔ علاوہ یونانی اور اطالوی جنگی جہازوں کے ان کے یہاں دوسری قوموں کے جہاز بھی آکر جمع ہو رہے تھے۔ کیونکہ بحر اسود اور جزیرۂ کریٹ سے جو عیسائی جہاز خواہ کسی دولت کا ہوتا قسطنطنیہ پہونچتا اس کو یونانی جنگ میں شریک ہونے کے لئے ٹھہرا لیتے تھے۔ یہ کل جہاز ایک زنجیر کے عقب میں کھڑے پہرہ دے رہے تھے جس کو یونانیوں نے بندرگاہ کے دہانے پر ترکوں کا راستہ روکنے کے لئے باسفورس کے وار پار کھینچ رکھا تھا۔ تاکہ جونہیں ترک ادھر بڑھنے کا قصد کریں ان پر گولوں کا مینھ برسا دیں۔ اس وجہ سے ترکوں کے لیے سمندر کی جانب سے شہر پر حملہ کرنا ایک دشوار امر تھا۔ اور خشکی کی طرف بھی ان کے سامنے چھ چھ میل تک شہر کی دہری دیواریں تھیں اور پھر ان کے کنارے کنارے سو سو فٹ گہری خندقیں کھدی ہوئی تھیں۔ مگر باوجود ان دشواریوں کے

سلطان نے اسی جانب اپنے خاص حملے کی ٹھان لی۔

جب جنگ شروع ہوئی تو یونانی سپاہیوں نے اول اول اتنی جرات کی کہ خندق میں اتر آئے اور وہیں سے لڑتے رہے مگر بعد میں جب ان کی یہ کوشش خطرناک ثابت ہوئی تو وہ دیواروں کی آڑ میں ہو کر ترکی حملوں کو روکنے لگے۔ ترکوں نے یورش کی مگر قیصری سپاہ نے ان پر گولیوں اور پتھروں کا مینہ برسا دیا۔ اس لئے وہ آگے بڑھ نہ سکے۔ اور ان کے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ توپیں یونانیوں کے پاس ترکوں کے مقابلے میں زیادہ نہ تھیں اور جو تھیں بھی وہ دیواروں پر نصب نہیں کی جا سکتی تھیں کہ مبادا کہنہ دیواریں ان کے دھماکوں سے گر نہ پڑیں ترکوں کا توپخانہ بے نظیر تھا اور شہر کی فصیلوں پر قیامت برپا کر رہا تھا ان کے چودہ توپخانے موقع کی جگہوں پر ایک شامل گولے برسا رہے تھے ان میں ایک ایکسو تیس توپوں کا تھا جو ایک ساتھ سر کی جا رہی تھیں۔ سب سے بڑی توپ کو دن بھر میں سات مرتبہ سے زیادہ نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ شروع میں کئی بار سر ہونے کے بعد لوہے کے گرم ہو جانے سے پھٹ گئی تھی جس پر ایک انجینیر نے یہ صلاح دی کہ اس کو سر کرنے کے

بعد پر ہر بار اس کے دہانے پر تیل ڈالدیا جائے۔ جب یہ ہدایت عمل میں لائی گئی تو پھر دوبارہ یہ واقعہ پیش نہ آیا۔ گولوں کی متواتر ضربوں سے فصیلوں کی حالت ابتر ہوتی گئی۔ ترک بھی خندق تک پہونچ گئے تھے اور یہ کوشش کی کہ خندق پر ہو جائے تاکہ دست بدست لڑائی کا موقعہ ملے اس کی انہوں نے بہتیری تدبیریں کیں۔ بڑے بڑے درخت کاٹکر تلے اوپر ڈالتے گئے مگر دن کو خندق کے پر کرنے میں ان کو جو کامیابیاں ہوتیں رات کو یونانیوں کی مستعدی اور مشقت سے ان پر پانی پھر جاتا۔ اسیطرح اس کوشش میں ان کے سینکڑوں بہادر کام آئے۔ سلطان نے پھر یہ سوچا کہ سرنگیں کھود کر شہر میں گھس پڑے مگر پتھریلی زمین پر اس کا بس نہ چلا اور باروت کی اتنی قدر تیں اس وقت دنیا کو معلوم نہ تھیں ورنہ وہ ان سے ضرور فائدہ اٹھاتا کیونکہ جنگ کے متعلق جتنی حکمتیں انسانی معلومات کے اندر تھیں وہ سب پر حاوی تھا۔ ایک ایسی گاڑی بنائی تھی جس میں آسودہ سپاہی نہایت حفاظت سے بیٹھکر دشمن پر گولیاں چلاتے تھے۔ یہ گاڑی نہایت بڑی ساخت کی اور دو منزلہ تھی اور بھینس کے چمڑے سے منڈھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے کے حصے میں تین دروازے اور دیواروں میں سوراخ تھے

دروازوں سے سپاہی باہر نکلکر دشمن پر حملہ آور ہوتے، اور پھر اندر داخل ہو کر پناہ لیتے اور روزنوں سے گولیاں چلاتے۔ اوپر دو منزلے پر جانے کے لئے اندر زینے بنے ہوئے تھے جن کے علاوہ ایک اور بھی الگ سیڑھی تھی جو اوپر چڑھا کر مقابل والی فصیل پر رکھے جانے سے اچھا خاصا پل بن سکتی تھی۔

ترکی توپخانے دشمن پر متواتر گولے برسا رہے تھے جس کے ساتھ ہی ساتھ ان پر بڑے بڑے انجنوں کے ذریعہ سے سخت سنگ باری کی جا رہی تھی۔ اس شدت کی گولہ باری اور سنگ باری نے سینٹ رومینس کے برج میں جا بجا رخنے ڈال دیئے اور ترک یورش کر کے بہت قریب آگئے۔ مگر سخت مزاحمت کی وجہ سے ان کو واپس ہٹنا پڑا اور رات ہو جانے کے سبب سے جنگ موقوف ہو گئی۔

ترکوں کو یہ قوی امید تھی کہ صبح ہوتے ہی ایک پرجوش حملے پر جنگ کا فیصلہ ہو جائیگا۔ مگر دوسرے دن سلطان کی آنکھوں کے سامنے ایک عجیب حیرت انگیز سماں موجود تھا یعنی خندقیں جو اگلے دن لاشوں سے پُر ہو گئی تھیں وہ بالکل صاف اور خالی تھیں اور سینٹ رومینس کا قلعہ جس میں رخنے

پڑ گئے تھے بالکل صحیح اور سالم تھا۔ غرض دن بھر میں جو نقصانات ہوئے تھے
راتوں رات یونانیوں نے ان کی تلافی کر لی تھی۔ سلطان کو اپنے جانبازوں
کی محنتوں کے رائگاں جانے پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ کہنے لگا کہ سخت حیرت
کا مقام ہے کہ کفار سے یہ حیرت انگیز کام کیونکر ہوا۔

ابھی بڑی لڑائی ہو ہی رہی تھی کہ یونانیوں کی کمک کو یوروپ کی طرف سے
امدادی بیڑا پہونچ جانے پر بحری لڑائی بھی شروع ہو گئی۔ اس کمک کے
بیڑے میں ایک جہاز شہنشاہ روم کی طرف سے آیا ہوا تھا اور باقی چار سلطنت
جینیوا کے بھیجے ہوئے تھے۔ گو تعداد میں یہ پانچ ہی جہاز تھے مگر ان کے پلّے کا
ایک جہاز بھی سارے عثمانی بیڑے میں نہ تھا کیونکہ سلطان نے نہایت عجلت
کے عالم میں اپنی بحری طاقت کو ترتیب دی تھی۔ کل اٹھارہ جہازوں کے
سوا اس کے بیڑے میں باقی بڑی بڑی کشتیاں ہی تھیں جن میں صرف سپاہ
لدی ہوئی تھی اور توپیں تک موجود نہ تھیں۔ اس کے برخلاف عیسائیوں کے
یہ نو وارد جہاز نہایت مستحکم اور جنگی سامان سے پورے طور پر آراستہ
تھے۔ ان میں روم اور یونان کے وہ جنگ آزما سورما بھرے ہوئے تھے
جو بحری معاملات میں ایک عمر گذار چکے تھے۔ ان جہازوں نے آتے ہی ترکی

جہازوں پر جو ان کے سامنے ہلال کی شکل پر باسفورس کے ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک پھیلے ہوئے تھے آگ برسانی شروع کردی۔ اس پر بھی ترک بڑے کلیجے سے آگے بڑھے کہ دشمن کے جہازوں میں گھس پڑیں اور ان کو تلواروں پر رکھ لیں۔ مگر گولوں کا وہ مینہ برس رہا تھا کہ وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ دو دو بار ان کو ہزیمت کھا کر پسپا ہونا پڑا اور ان کی بہت سی جانیں تلف ہوئیں۔

سلطان کا یہ حال تھا کہ گھوڑے کی پشت پر بیٹھا ہوا پرجوش الفاظ میں سپاہ کی ہمت بڑھا رہا تھا اور اپنا آہنی گرز ہلا ہلا کر کبھی تو ان کو انعام واکرام کی امیدیں اور کبھی سزا کی مہیب دھمکیاں دیتا۔ آخر ایک دفعہ جوش میں آکر اس سے رہا نہ گیا۔ اور گھوڑے کو مہمیز کر کے سمندر میں ڈال دیا۔ اپنے آقا کی یہ کیفیت دیکھکر ترکوں نے ایک تیسرا خونریز حملہ کیا مگر پھر ان کو شکست ملی۔ کہتے ہیں کہ اس دن ان کی قریب بارہ ہزار سپاہ کام آئی۔ ان کے پسپا ہونے پر عیسائی بیڑا باسفورس میں داخل ہو گیا اور بندر کی آہنی زنجیر کے اندر آکر مقیم ہوا۔ عیسائیوں کی اس بحری فتح سے ترکوں کو سخت نقصان پہونچا۔ کیونکہ اب ترک سمندر کی طرف سے شہر پر حملہ نہیں کر سکتے تھے۔

اور شہر کی تسخیر کے لئے یہ ضرور تھا کہ اس پر بحری اور بری دونوں جانب سے حملہ کیا جائے۔ اول تو بندرگاہ کے منہ پر ایک مضبوط آہنی زنجیر راستے کو مسدود کئے ہوئے پڑی تھی دوسرے یہ کہ اس زنجیر کی پشت پر طاقتہائے یوروپ کے متحد بیڑے گولہ باری کے لئے مستعد کھڑے تھے۔ جن میں آٹھ بڑے بڑے جنگی جہازوں کے علاوہ کچھ چھوٹے چھوٹے جہاز بھی تھے جن کا شمار بیس سے زیادہ تھا اور کشتیوں کی ایک کافی تعداد تھی۔

آخر سلطان کو اس کے بے نظیر اور پرفہم دماغ نے ایک انوکھی تدبیر بتائی جس سے اس کے بہت سے مشکلات حل ہو گئے اس نے یہ سوچا کہ بجائے اس کے کہ عیسائی بیڑوں سے دوسری بار نبرد آزمائی کروں اپنے جہازوں کو زمین ہی پر سے کھنچوا کر عیسائی بیڑے اور آہنی زنجیر کے اس پار کیوں نہ اتار دوں۔ یہ ایک ایسا منصوبہ تھا جس کی تکمیل پر کل فاتحین متاخرین اس شیر دل سلطان کی فراست و شجاعت پر عش عش کر گئے۔ یہ کوئی آسان امر نہ تھا دس دس میل کی راہ طے کرنی تھی جس میں دراز مسافت کے علاوہ جنگلوں کی موجودگی اور زمین کی ناہمواری کی دقتیں الگ پیش آنیوالی تھیں۔ مگر اس بہادر سلطان کے نزدیک مشکل اور آسان

کے ایک ہی معنی تھے اس لئے اپنے ارادے کو پورا کرنے کا عزم مصمم کر لیا۔
پہلے تو زمین کو ہموار کر کے بڑے بڑے چوڑے تختے راستے پر بچھائے گئے اور انکو
چکنا کرنے کے لئے ان میں بھیڑ اور بھینس کی چربی ملی گئی۔ اس کے بعد ایک
سو سے زیادہ جہازپہیوں کے اوپر چڑھا کر آدمیوں اور کلوں کے ذریعہ
سے پہاڑ کے اوپر کھنچوائے گئے اور کئی میل تک گھسیٹ کر پھر نیچے لاکر سمندر
میں بندر کے نزدیک ایک ایسی جگہ پر اتارے گئے جہاں یونانی جہاز ان کا
ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتے تھے۔ سپاہیوں نے نہایت جوش اور مستعدی
کے ساتھ ان صعوبتوں کو کھینچنا گوارا کیا اور حیرت تو یہ ہے کہ یہ سارا کام
ایک ہی شب کے اندر انجام پایا جس کی تکمیل میں شاید دیوزاد بھی
قاصر رہتے۔

دوسرے دن جب صبح ہوئی تو سلطان مع اپنی فوج اور جہازوں کے
آہنی زنجیر اور عیسائی بیڑوں کی دوسری طرف تھا یہاں اس نے ایک تنگ
جگہ منتخب کی اور پیپوں کو زنجیروں میں جکڑ کر ایک پل تیار کر لیا۔ اس پل پر
اس نے اپنی ایک بڑی توپ نصب کی۔ پھر اپنے اسی جہازوں کو جن پر
اس کی سپاہ اور شہر کی فصیلوں پر چڑھنے کے لئے بہت سے سامان موجود تھے

شہر کی اس جانب بڑھایا جدھر کامیابی کی بہت امید تھی عیسائیوں نے
اس کے پل اور جہازوں میں آگ لگا دینے کی بڑی کوشش کی مگر ناکام رہے۔
سلطان کے توپچیوں نے آگ برسا کر ان کی توپوں کی گولہ باری کو موقوف
کر دیا اور جو عیسائی جہاز آگے بڑھتا اس کو ترک یا تو گرفتار کر لیتے یا غرق
کر دیتے ۔ یونان اور اطالیہ کے چالیس نوجوانوں کو پکڑ کر انھوں نے قتل
کر ڈالا جس کا زبردست انتقام قیصر نے یوں لیا کہ دوسو ساٹھ مسلمانوں
کو قتل کر کے شہر کی فصیلوں کے باہر ان کے سر پھینکوا دیئے تاکہ ترک
اس کے خوفناک انتقام کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

چالیس دن کے محاصرے کا یہ نتیجہ ہوا کہ قیصر کا قلعہ سپاہ سے خالی
ہونے لگا دیواروں میں جا بجا رخنے پڑ گئے اور سینٹ رومینس کے دروازے
کے نزدیک چار برج مسمار ہو کر خاک میں مل گئے ۔ قیصر کی حالت اسوقت
نہایت قابل رحم تھی ۔ اس نے کئی بار اپنے سفرا کو سلطان کے پاس جنگ
موقوف کرنے کے لئے بھیجا ۔ اس کی عاجزی کی یہ نوبت پہونچی تھی کہ مذہب
اور تخت کو چھوڑ کر اس سے جو طلب کیا جاتا وہ فوراً قبول کر لیتا
مگر سلطان کی شرطیں یہ تھیں کہ یا تو اسلام قبول کر و یا اپنا تخت

میرے حوالہ کرو اور اگر یہ باتیں منظور نہیں تو موت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس نے قیصر کو یہ کہلا بھیجا کہ اگر آپ تخت سے کنارہ کشی کریں تو میں آپ کو ایک دوسری مملکت دوں۔ آپ کی رعایا کو بھی پوری امان ملیگی اور وہ اس کے مجاز ہونگے کہ اپنے اہل وعیال اور مال ومتاع کو لیکر شہر سے نکل جائیں۔ مگر کچھ تو آبرو پر حرف آجانے کے خیال اور کچھ تو عام طعن وتبرے کے خوف نے قیصر کو شہر سلطان کے حوالہ کرنے نہ دیا۔ آخری بار سلطان نے اس کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ میرے ہاتھوں سے آپ کی رہائی اسی میں ممکن ہے کہ آپ کے تخت پر میرا جلوس ہولے یا یہیں میرا مزار بن جائے۔

جب جنگ کے فیصلہ ہونے میں دیر ہونے لگی تو سلطان نے حکم دیا کہ مئی کی ۲۹ تاریخ کو بحری اور بری دونوں فوجیں شہر پر عام حملہ کریں۔ اپنے علم رمل سے ایک اچھی ساعت دیکھکر اس نے یہ تاریخ مقرر کی۔ اٹھائیسویں کی شب کو اپنے کل سپہ سالاروں اور افسروں کو طلب کیا اور ان کو جنگ کے متعلق بہت سی ہدایتیں کیں۔ سب کو اپنے آخری احکام سنائے اور سپاہیوں سے یہ کہا "اگر تم میں سے کوئی بزدل جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا تو یاد رکھو کہ اس کے پر بھی ہوں جب بھی وہ میرے قہر سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اگر فتح

ہوئی تو میں تمھاری تنخواہیں دگنی کر دونگا اور شہر اور اس کی عمارتوں کو چھوڑ کر جو کچھ زر و جواہر مال غنیمت اور خزانے میرے ہاتھ آئینگے تمھاری جرات اور بہادری کے صلے میں سب تمہیں بخشدونگا۔ امیر اور شاد ہو کر رہنا میری سلطنت کے بہت سے صوبجات ہیں ان میں سے بہترین خطہ میں اس شیر دل سپاہی کو بخشونگا جو سب سے پہلے قسطنطینہ کی فصیلوں پر ہوگا۔ اسکے علاوہ اپنی قدردانی کا ثبوت اتنے مزید انعام واکرام سے دونگا کہ اس کا اندازہ کرنا اس وقت اس کی امیدوں سے باہر ہے۔"

ساری سپاہ جوش میں بھری ہوئی تھی جنگ کی خوشی میں انہوں نے رات کو آگ جلاکر ساتوں برج تک روشن کر دیا اور کلمۂ طیب کے نعرے بلند کرکے اپنے خیمے گونجا دیئے اسلام کی ان قدیم جنگ آوروں کی مثال دنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کرسکتی ہے۔ شجاعت میں وہ جیسے بے نظیر تھے مذہب کے وہ اسیقدر دلدادہ تھے۔ یہی باعث تھا کہ فتح وظفر جس کا بخشنا اور نہ بخشنا صرف اسی قادر مطلق کے ہاتھ ہے ہمیشہ ان کی ہمرکاب رہتی تھی۔ ترکوں کو ۲۹ مئی کے قبل جنگ سے جو کچھ مہلت ملی انہوں نے خدا کی عبادت وبندگی میں صرف کی سارا لشکر نہایت احتیاط سے پنجگانہ نماز ادا کرتا

اور روزے رکھتا تھا۔ وعظ کرنے کے لئے علما مقرر کئے گئے جو ان کے سامنے شہادت کے فضائل اور مدارج کا بیان کرتے تھے۔ غرض بادشاہ سے لیکر معمولی سپاہی تک ہر شخص نہایت خوشی اور فخر کے ساتھ فتح یا موت کا انتظار کر رہا تھا۔

یونانیوں کی حالت دگرگوں تھی شکست اور ذلت کی مہیب صورتیں انہیں ڈرا رہی تھیں اور بجائے اس کے کہ وہ اپنے بادشاہ کی شجاعت کی داد دیتے وہ اسلئے یہ شکایت کرتے تھے کہ جب ترکوں سے گریز ناممکن ہے تو قیصر شہر کو کیوں سلطان کے حوالے نہیں کر دیتا۔ ان کی رائے میں ترکوں کے آگے ہتھیار رکھدینا عین مصلحت تھا کیونکہ ان کی یاس انتہا کو پہونچگئی تھی اور اب کوئی فکر انہیں تھی تو وہ یہ تھی کہ ان کے جان و مال بخشے جائیں خواہ اس کامرانی میں ان کی قومی آزادی کا خاتمہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ مگر بہادر قیصر نے استقلال کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ۲۹ مئی کی شب کو اس نے بڑے بڑے امراء اور افسروں کو اپنے محل میں جمع کر کے ان کو اپنی آخری تقریر سنائی اور فتح کی امیدیں دلائیں جن سے وہ خود مایوس ہو چکا تھا۔ سب کے سب زار و قطار رو رہے تھے اور جان دینے کی

ٹھان لی تھی۔ کل افسر اپنی اپنی جگہ پر پہرہ دینے کے لئے مقیم ہوگئے اور قیصر خاص خاص چند اراکین کو ساتھ لیکر سینٹ صوفیا کے گرجے میں گیا اور نہایت آہ وزاری سے عبادت کی پھر محل میں جہاں نوحہ وبکا کی آوازیں بلند ہورہی تھیں اس نے قدرے توقف کیا اس کے بعد سب سے معافی مانگ کر اور گھوڑے پر سوار ہو کر فوج کا معائنہ کرنے اور دشمن کی نقل وحرکت کو معلوم کرنے کے لئے روانہ ہوا۔

سلطان محمد اس شب کو جتنی تیاریاں جنگ کے لئے ضروری اور ممکن تھیں سب کر چکا تھا۔ اس کی توپیں خندقوں کے کنارے لگی ہوئی موجود تھیں جن کو عبور کرنے کے لئے جا بجا پل بنے ہوئے تھے۔ اور اس کے جہاز شہر پناہ کے بالکل قریب آکر جنگ کرنے کو مستعد کھڑے تھے۔

۲۹ رمئی کی صبح کو ترک وہ جنگ کرنیوالے تھے جس کے سامنے دنیا کے بڑے بڑے محاربات کوئی حقیقت نہ رکھتے تھے۔ اور جس کا فخر کرنا ترکوں کو اس وقت تک زیبا ہے جب تک کہ سرزمین یوروپ میں قسطنطنیہ کا وجود باقی ہے اور قسطنطنیہ کے قلعے کے اوپر سرخ پھریرا لہراتا ہے اور اس پھریرے پر ہلال اور ستارہ چمکتا ہے۔ آخر وہ یادگار صبح نمودار ہوئی اور ترکوں نے

دفعتہً بحری اور بری دونوں جانب سے یونانیوں پر حملہ کیا۔ عربی۔ شامی اور تاتاری جماعتیں جو کفار سے لڑنے کے شوق میں آئی ہوئی تھیں فوج کے آگے رکھی گئیں۔ ان میں بوڑھے بچے اور جوان سب شریک تھے۔ ایک ہی وقت پر ان کل جنگجوؤں کے اُمنڈ آنے سے اسقدر ازدحام ہوگیا تھا کہ جو تیر یا گولی یونانیوں کی طرف سے آتی وہ رائگاں نہیں جاتی۔ کوئی نہ کوئی اسکے نذر اجل ضرور ہو جاتا اور سب سے آگے والا سپاہی دھکوں کے مارے خندق میں گر کر زندہ درگور ہو جاتا۔ فصیل پر چڑھنے کی جو شخص جرات کرتا وہ فوراً اوپر سے گرا دیا جاتا۔ اناطولیہ اور رومانیا کی فوجیں اپنے اپنے پاشاؤں کی ماتحتی میں یکے بعد دیگرے حملہ آور ہو رہی تھیں اور ہنگامہ کارزار میں قیصر کی آواز سنائی دیرہی تھی جو یہ کہکر اپنی سپاہ کی ہمت بڑھا رہا تھا کہ بہادرو آفریں ہے تمھاری ہمت پر ایک دفعہ اور کوشش کر لو اور بس تمھارے ملک کی نجات ہے۔ یونانیوں کی جنگ اگرچہ جنگ مدافعت تھی پھر بھی وہ داد شجاعت دیکر مقابلہ کر رہے تھے۔ دو گھنٹے تک انھوں نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی بلکہ اس عرصے میں ان کا موقع اور مستحکم ہوگیا۔ ان کے استقلال کو دیکھکر جان نثاریوں کی رگوں میں خون دوڑنے لگا

اور وہ سخت جوش میں آ کر نہایت قہر و غضب کے ساتھ حملہ آور ہوتے۔
سلطان ایک آہنی گرز لئے ہوئے گھوڑے پر بیٹھا فوج کو حکم دے رہا تھا اور اس کے ارد گرد دس ہزار شجاعان جنگ آزما تھے جن کو وہ خطرے کے موقعہ پر کام میں لانے کے لئے محفوظ رکھے ہوئے تھا۔ اس نے اپنے وزیروں کو فوج کے پیچھے اس غرض سے متعین کر دیا کہ سپاہ کی ہمت بڑھائیں اور اگر کوئی بھاگنا چاہے تو اسے روکیں یا قتل کر ڈالیں۔ ادھر اس کی فوجیں حملوں پر حملے کر رہی تھیں ادھر اس کے توپخانے پل اور جہاز پر سے متواتر گولے برسا کر قیامت ڈھا رہے تھے۔ اور میدان جنگ میں چاروں طرف کچھ ایسا دھواں چھا رہا تھا کہ اس کی تاریکی میں شہر اور خیمے ترک اور یونانی سب کے سب مستور ہو گئے۔ نقارے کی آوازیں الگ بلند ہو رہی تھیں مجروحین کی چیخ اور پکار الگ سنائی دے رہی تھی غرض اس بلا کی جنگ ہو رہی تھی کہ تاریخ عالم کے صفحات میں اس کی بہت کم نظیر ملیگی۔

جنگ کا اب بہت جلد فیصلہ ہوا چاہتا تھا کیونکہ عیسائیوں کے قدم اکھڑنے لگے تھے اور ان کے مشہور و معروف سپہ سالار جان جسٹی نین کا ہاتھ زخمی ہو گیا تھا۔ شدت درد اس قدر تھی کہ آخر اس سے رہا نہ گیا اور اس نے قراں

اختیار کی۔

اس کے بعد اطالیہ کی امدادی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ شہر کی دوہری دیواریں منہدم ہو کر مٹی کا ایک ڈھیر بن گئیں اور عیسائیوں کی مجموعی قوت کا ڈھچر بالکل ڈھیلا پڑ گیا۔

سب سے پہلے جو شخص قسطنطنیہ کی دیوار پر چڑھا وہ حسن نامی ایک قوی ہیکل دیو سار جان نثاری تھا۔ اس عجیب و غریب بہادر نے ایک ہاتھ سے تلوار پکڑے ہوئے اور دوسرے سے ڈھال باہر کی دیوار پر چڑھنا شروع کیا۔ یونانیوں نے اس کو نیچے گرا دیا پھر بھی وہ باز نہ آیا اور اگرچہ اوپر سے پتھروں اور تیروں کا مینھ برس رہا تھا اس پر بھی صرف ایک گھٹنے کے بل اوپر چڑھ گیا۔ اسکے تیس رفیقوں میں سے اٹھارہ کام آئے اور باقی بارہ اس کے شامل کامیاب ہوئے۔ حسن جان نثاری کا اوپر چڑھنا تھا کہ ترک دیواروں اور برجوں کے اوپر چیونٹیوں کی طرح بھر آئے اور یونانیوں کو مار مار کر بھگا دیا۔ اس عالم رستخیز میں قیصر یہ چلاتا ہوا سنائی دیا "آہ کیا کوئی عیسائی ایسا نہیں ہے جو میرا سر کاٹ لے"۔ اس کو یہ خوف تھا کہ کہیں مسلمانوں کے ہاتھ قید نہ ہو جاؤں۔ یہ آواز سنکر کسی نے اس کا کام تمام کر دیا اور خاندان

قیصری کا آخری وارث تخت و تاج زمین پر گر کر مقتولوں کے ڈھیر میں پوشیدہ ہو گیا۔

جب ان کے آقا کا خاتمہ ہو گیا تو پھر یونانیوں کی ہمت باقی نہ رہی اور وہ شہر کی طرف بھاگ نکلے۔ ظفر مند ترک کچھ تو مسمار شدہ دیواروں کے اوپر سے ہو کر اندر گھس آئے اور کچھ بندرگاہ کی طرف سے شہر میں داخل ہوئے اور آخر قسطنطین اعظم کا قدیم اور مستحکم پایۂ تخت تریپن روز کی خونریز جنگ کے بعد سلطان محمد بن مراد کے زیر نگیں آ گیا۔ جونہیں ترکوں کی فتح کی خبر شہر میں مشہور ہوئی عیسائی باشندے اپنے اپنے مکانات چھوڑ کر بھاگنے لگے مرد و زن جوان اور بوڑھے سب نے سینٹ صوفیا کے گرجے میں جا کر پناہ لی۔ کیونکہ ایک قدیمی روایت کے مطابق ان کو یہ امید تھی کہ ایک فرشتہ آسمان پر سے اتر کر اس وقت ان کے پاس آئیگا جس کی مدد سے وہ ترکوں کو نہ صرف یوروپ سے بلکہ اناطولیہ سے بھی مار کر نکال دینگے اور ترک بھاگتے ہوئے سینکڑوں میل یعنے ایران کی سرحد پر جا کر دم لینگے ابھی وہ اسی امید میں سینٹ صوفیا کے دروازے بند کئے ہوئے بیٹھے تھے کہ آسمانی فرشتے کے بجائے سلطان کے جان نثار ی تلوار کھینچے ہوئے

اندر آگھسے۔ جنہوں نے اپنے گرزوں کی چوٹ سے دروازوں کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی مورتیں توڑ دی گئیں اور سارے بت جو سجدے کئے جاتے تھے وہ خود اب فرش زمین پر سر بسجود ہو گئے اس غارتگری میں ترکوں نے شاہی کتب خانے کو بھی لٹوا دیا۔ افسوس ہے کہ پندرھویں صدی کے عثمانی نہ عرب کے عباسی تھے اور نہ اندلس کے بنو امیہ جن کو اس علم و ہنر کے خزینے کی قدر معلوم ہوتی۔ کہتے ہیں کہ اس کتب خانے میں ایک لاکھ بیس ہزار قلمی کتابیں تھیں جن میں شہرہ آفاق حکیم ارسطاطالیس اور یونان کے مشہور و معروف شاعر ہومر کی تصنیفیں بھی تھیں۔ ترکوں نے ہزاروں نایاب کتابیں نہایت کم قیمت پر ہر کس و ناکس کے ہاتھ فروخت کر دیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان خود تو ان نایاب جواہرات سے تونگر ہو ہی نہ سکے دنیا کو بھی ان میں سے بہت کا نام و نشان پھر نہ ملا۔

فتح کے بعد سلطان سینٹ رومنیس کے دروازے سے ہو کر شہر کے اندر داخل ہوا۔ بڑے بڑے پاشا وزرا اور محافظین اس کی جلو میں چل رہے تھے جن میں بقول گبن "ایک سے ایک قوی ہیکل جوان تھا جو ہرقل

کی طرح قوی اور اپولو کی طرح فرزانہ تھا او رمعمولی دس انسان سے جنگ کرنے کی طاقت رکھتا تھا" سلطان ارد گرد کی عالیشان عمارتوں پر نگاہ کرتا ہوا نہایت تزک و احتشام کے ساتھ شارع عام سے گذر کر سینٹ صوفیا کے گرجے میں داخل ہوا۔ وہاں جا کر اس نے حکم دیا کہ آرائش کی کل چیزوں کو ہٹا کر اور دیواروں کی تصویروں کو مٹا کر اس عبادتگاہ کو اسلام کی مسجدوں کی سادگی سے زینت بخشی جائے۔ اس تاریخ سے عبادت کے بہترین طریقے وہاں برتے جانے لگے اور جمعہ کے دن موذن سب سے اونچے مینار پر چڑھ کر با آواز بلند یہ پکارا۔ اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے اور حضرت محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ پرستش کا تنہا وہی سزاوار ہے لوگو اس کی عبادت کو دوڑو۔ پھر تو خدا کی شان کا وہ جلوہ چمکا کہ جس گھر میں تین تین خداؤں کی پرستش ہوتی تھی وہاں ایک معبود برحق کی عبادت ہونے لگی۔ نہ مصنوعی حضرت عیسیٰ اور نہ مصنوعی حضرت مریم اب انسان کے مسجود تھے ایک واحد مطلق کے آگے سر جھکائے جانے لگے جو اگرچہ نظروں سے پنہاں تھا مگر عالم خیال میں پورے جاہ وجلال کے ساتھ اپنا جلوہ دکھا رہا تھا۔

گرجے سے سلطان سیدھا شاہی محل کی طرف روانہ ہوا جو قیصر اعظم کی سو پشتوں کا مسکن رہ چکا تھا۔ جب وہاں پہونچا تو اس کی آنکھوں کے سامنے عجیب عبرت خیز نظارہ تھا یعنی جو ایوان عالیشان کل قیصر نوناز کا تخت گاہ تھا جو کل وزرا اور امراء کے شور وغل سے گونج رہا تھا وہ آج ویران اور سنسان پڑا ہوا تھا۔ نہ ارکین سلطنت اب اس میں تھے نہ تاج اور دولت تھا۔ ہر طرف ایک سناٹا سا چھایا ہوا تھا جس سے قادر مطلق کی قدرت ظاہر ہورہی تھی۔ اور اس کی حشمت و جبروت کا پتہ ملتا تھا۔ یہ تو حقیقت ہی دنیا کی شاہی کی اور یہ بساط ہے کشورستانی کی! دنیا کے اس انقلاب اور بے ثباتی پر غور کرکے فاتح سلطان فتح کی سرمستی میں بھی چونک پڑا۔ اور یہ اشعار پڑھے۔

"چشم عبرت برکشا و حال شاہاں در نگر تا چساں از حادثات دور گردوں شد خراب
پردہ داری میکند بر قصر قیصر عنکبوت بوم نوبت میزند بر گنبد افراسیاب"

قیصر کے تاج و تخت تو سلطان کے ہاتھ آگئے تھے مگر قیصر کا پتا نہ تھا مشہور یہ تھا کہ بہادر شہنشاہ نے لڑتے ہوئے اپنی جان دیدی۔ اس لئے سلطان نے اس کی لاش کی تلاشی کا حکم دیا جو آخر عقاب کی سنہری تصویروں سے

پہچان کر جو اس کے جوتوں میں ٹکی ہوئی تھیں مقتولین کے ڈھیر کے اندر سے نکالی گئی۔ فیاض دل فاتح نے مفتوح کی تجہیز و تکفین پورے شاہانہ عزت و حشمت کے ساتھ ادا کی۔ بدنصیب شہنشاہ جب دفن ہو چکا تو اس کا وزیر اعظم لیوکس نوٹارس سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور تخت شاہی کے پائے کے سامنے اپنی دولت پیش کی جس کو دیکھکر سلطان نے نہایت حقارت کے ساتھ اس سے پوچھا کہ تم نے اس دولت کثیر کو کیوں اپنے بادشاہ اور ملک کی حفاظت میں صرف نہ کیا۔ ڈیوک نے جواب دیا۔ یہ دولت تو حضور عالی ہی کے لئے تھی خدا نے حضور ہی کے لئے اس کو رکھا تھا۔ سلطان نے کہا " اگر اس نے میرے لئے رکھا تھا تو پھر تمھارے سر پر کونسی شامت آئی تھی کہ اس دولت کو میرے حوالے نہ کیا اور اتنے دنوں تک بے فائدہ میری مزاحمت کی جس کا نتیجہ تمھارے حق میں وہ ہوا جو تم اپنی نظروں سے دیکھ رہے ہو۔ ڈیوک نے اپنی حماقت کے وجوہات خلیل پاشا کی خفیہ سازش اور غیر ملک والوں کی ہٹ دھرمی بتائے۔ اور آخر اپنی جان کی امان پا کر رخصت ہوا۔ اس کی بیوی بیمار تھی سلطان خود اس عیسائی خاتون کی عیادت کو گیا اور اس کے ساتھ نہایت شفقت و مہربانی

سے پیش آیا۔ بہت سے افسروں کو اپنے پاس سے زر فدیہ دیکر رہا کروا دیا اور یہ عام منادی کرا دی کہ عیسائی کسی قسم کا خطرہ اپنے دل میں نہ لائیں آرام کے ساتھ شہر میں رہیں میں ان کو اپنا فرزند سمجھتا ہوں۔ اس پر بھی ہزاروں عیسائی ان جہازوں پر چڑھکر چلدیئے جو دول اطالیہ وجینوا کی طرف سے ان کی تائید کو آئے ہوئے تھے جب سلطان نے دیکھا کہ شہر خالی ہو چلا ہے تو اسنے یہ حکم دیا کہ دوسرے صوبجات سے میری رعایا یہاں آکر بسے۔ اس فرمان سلطانی کی تعمیل میں اناطولیہ اور رومینیا کے قریب پانچہزار خاندانوں کو اپنا وطن چھوڑ کر جدید دار السلطنت میں آکر بسنا پڑا۔ خود یونانی بھی آخر سلطان کے عدل وانصاف کو دیکھکر جوق جوق شہر میں داخل ہونے لگے کیونکہ ان کی امیدوں کے خلاف سلطان نے گرجوں کی نصف تعداد ان کی عبادت کے لیئے چھوڑ دی۔ اس کے علاوہ بھی اس نے اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ ہر قسم کی مراعات خسروانہ اور انصاف سے سلوک کیا جس کی وجہ سے شہر پھر عیسائیوں سے آباد ہو گیا۔ سینٹ صوفیا کی قسمت میں مسجد بننی تھی مسجد بنا۔ اذاں دینے کے لئے اس میں اونچے اونچے مینار اور وضو کرنے کے لئے حوض بنائے گئے۔ یعنی آخر وہ زمین جو بارہا مسلمانوں کے خون سے

سینیچی گئی تھی اور حضرت ایوب شہید رضؓ کا مدفن بن چکی تھی تین تین خداؤں کی پرستش کی تاب نہ لاسکی اس میں وحدانیت کا علم بلند ہوا اور خدا معلوم کتنی صدیوں کے لئے۔

جب ایک قدیم دولت کی تسخیر و تباہی کی خبر سارے یوروپ میں مشہور ہوئی توکل دولتیں کانپنے لگیں اور فوراً اپنے اپنے سفرا کو اس آقائے جہاں کی دلجوئی کو اس کی خدمت عالی میں روانہ کیا۔ قیصر کے دو بھائی ٹامس اور ڈیمٹریس جواب تک خطۂ یونان کے جنوبی حصے پر حکومت کرتے تھے اپنی جان لیکر اطالیہ کو فرار ہو جانے کے لئے مستعد ہو گئے مگر سلطان نے بارہ ہزار ڈکٹ کے خراج پران کو امان بخشی۔ سات سال تک انہوں نے حکومت کی مگر اس عرصے میں ہمیشہ دونوں بھائیوں میں خانہ جنگی ہوتی رہی۔ سلطان نے یہ دیکھکر ڈیمٹریس کی مدد کو جو دوسرے بھائی سے کمزور تھا لشکر کشی کی اور اسپارٹا کو فتح کر لیا۔ اس نے ڈیمٹریس سے یہ کہا کہ تم اس سرکش ملک پر حکومت کرنے کے قابل نہیں ہو میں تمھاری شہزادی کو بیگم بنا دونگا تم عزت اور اطمینان سے میرے ساتھ چل کر رہنا۔ ڈیمٹریس نے سلطان کو اپنی لڑکی حوالہ کر دی اور اس کے ساتھ اڈریا نوپل چلا گیا۔ سلطان نے

اس کے مصارف کے لئے تھریس کا ایک شہر اور قریب کے چند جزائر بخشدیئے۔

قسطنطنیہ کے علاوہ سلطان محمد نے اور بھی بہت سے فتوحات کئے۔ ان فتوحات نے اگرچہ وہ قسطنطنیہ کی جلیل القدر اور مہتم بالشان فتح کے ہم پلہ نہ تھے۔ پھر بھی اس کی سلطنت کو شمال میں کریمیا تک اور مغرب میں البانیا تک پہونچا دیا تھا۔ اناطولیا کے فتوحات میں ایک لوسینیوپ کے مسلمان شہزادے کی حکومت کی تسخیر تھی جس نے دس بارہ ہزار سپاہ اور چار سو توپیں رہتے ہوئے اپنا مستحکم شہر سلطان کے حوالہ کردیا۔ دوسری حکومت ڈیوڈ کی تھی جو کومنین خاندان سے تھا اور شاہ تربزون کے نام سے باسفورس کے ساحل پر حکومت کرتا تھا۔ اس سے سلطان نے یہ پوچھ بھیجا کہ کیا تم اپنی حکومت کو میرے حوالہ کرکے اپنے جان و مال کی سلامتی چاہتے ہو یا تمہیں اپنی بادشاہت اپنے خزانے اور اپنی زندگی ضبط کرانی منظور ہے غریب اتنا سنکر تھر تھرا اٹھا اور فوراً مطیع ہوگیا۔ یوروپ میں بھی جہاں جان ہنیڈی اب تک زندہ تھا سلطان نے بہت سے ملکوں پر فوجکشی کی۔ ولاشیا پر تاخت کرکے اس کے حکمراں کو شکست دی۔ سربیا اور بوسنیا

فتح کئے بلگریڈ کا محاصرہ کیا۔ مگر ہنیڈی اور جان کیسٹران کے مقابلے میں اسنے ہزیمت کھائی۔ البانیا کو فتح کرنے میں بھی سکندر بیگ کی سخت مزاحمت کیوجہ سے ناکام رہا۔ اس نمکحرام امیر اور ترکوں کے درمیان سلطان مراد کے عہد سے اسکے بیٹے کے وقت تک کئی لڑائیاں ہوئیں مگر وہ ہمیشہ اپنے آپ کو بچاتا رہا۔ کہتے ہیں کہ اس کی کامیابی کی شاید یہ وجہ ہوگی کہ قدیمی رفاقت کا لحاظ کرکے باپ اور بیٹے کسی نے اس کو زیادہ دبانا نہ چاہا۔ ۱۴۶۱ء میں اس نے سلطان محمد سے صلح کرلی جس کی رو سے وہ ایک خودمختار تاجدار مانا گیا۔ مگر چھ سال کے بعد جب اس نے قضا کی تو اس کی حکومت آخر سلطان محمد کے قبضے میں آگئی۔

سلطان کے فتوحات زمین ہی تک محدود نہ تھے سمندر میں بھی اس کا ڈنکا بج رہا تھا۔ وینس کی جمہوری حکومت کا اس نے ناک میں دم کردیا۔ جزیرہ نگروپنٹ اس سے چھین لیا اور عجب نہ تھا کہ بہت جلد خاص وینس پر چڑھ دوڑتا مگر خوش قسمتی سے وینس والوں نے ۱۴۷۹ء میں اس سے صلح کرلی۔ اسی سال غدیق احمد پاشا نے جو سلطان کا وزیراعظم اور امیرالبحر بھی تھا کریمیا فتح کیا جس پر آل چنگیز حکومت کرتی تھی۔ دوسرے سال یعنے

سنہ ۱۴۸۰ء میں ترکوں نے جزیرۂ روڈس کا محاصرہ کیا مگر اس کو وہ فتح نہ کر سکے اور ان کو محاصرہ اٹھا لینا پڑا۔ اس ناکامی کے عوض دوسری جگہ ان کو کامیابی حاصل ہوئی یعنی جولائی کی ۲۸ تاریخ کو ان کے امیر البحر نے بحر مڈیٹرنین سے گذر کر اطالیہ کے جنوبی ساحل پر ترکی فوج اتاری اور اٹرانٹو کے قلعہ کو ہلا کر کے فتح کر لیا۔ یہ پہلی بار تھی کہ ترکوں نے خاص سر زمین اطالیہ میں قدم رکھا۔

سنہ ۱۴۸۱ء میں سلطان ایک بڑی بھاری جنگ کی تیاری کرنے لگا۔ اس قہار فوج کو لیکر وہ کس ملک اور کس قوم پر قیامت ڈھانیوالا تھا اس کا علم کسی بشر کو نہ تھا کیونکہ یہ اس کی عادت تھی کہ کوچ کرنے کے وقت تک اپنے ارادے کو بالکل مخفی رکھتا۔ ایک دفعہ جب اس کے کسی افسر نے اس سے پوچھا کہ حضور کا کس طرف قصد ہے تو اس نے یہ جواب دیا کہ "اگر میرے راز سے میری اپنی داڑھی کا ایک بال بھی خبردار ہو جائے تو میں اس کو فوراً اکھاڑ پھینکوں"۔ مگر قیاس کیا جاتا ہے کہ اس تیاری سے اس کا ارادہ یہ تھا کہ اپنی فتح کا علم اطالیہ میں جا کر نصب کرے اور مشرقی حکومت کی طرح روم کی مغربی حکومت کے دفتر بھی الٹ دے

مگر حیف ہے کہ اس عالیجاہ سلطان کے دل کے حوصلے دل ہی میں رہ گئے کیونکہ اسی سال مئی کی دو تاریخ کو اس نے کل اکاون سال کی عمر میں دنیا سے رحلت کی اور سارے یورپ کو تھرا دینے والا کشورستاں زمین کے نیچے جاکر اس پر اسرار خواب میں شامل ہو گیا جس میں کل فاتحین عالم پہلے سے پڑے سو رہے تھے۔ اس کی ذات سے زمانے نے کچھ ایسا پلٹا کھایا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے اسلام کے نئے عروج کے سامنے عیسائیت کی کلاہ حشمت سرنگوں ہو کر زمین پر گر پڑی حق تو یہ ہے کہ "اس کی موت سے یوروپ کی جان بچگئی" کیونکہ اگر وہ کچھ دنوں تک اور زندہ رہتا تو اس کے ہاتھوں عیسائی دول کی قسمت میں کیا کچھ ہوتا یہ صرف اسی عالم الغیوب کو معلوم ہے جس کے اشاروں کی لوح میں ماضی۔ حال۔ اور مستقبل کے واقعات کی تقویم لکھی ہوئی ہے۔

گیارہواں باب

فتح کے عالمگیر نتائج

تاریخ عالم میں بہت کم ایسے فتوحات نکلینگے جن کے نتائج اسقدر عالمگیر ہوئے ہوں جیسے اس عظیم الشان فتح کے جسے آل عثمان کی تلوار نے اس کے اوراق پر منقوش کیا۔ قسطنطینہ کی تسخیر نے نہایت قلیل عرصے کے اندر وہ وہ اسباب پیدا کئے جنہوں نے دنیا کو ہزاروں انقلاب دکھا دیئے۔ ترکوں کی گرج سے جب یوروپ کی سرزمین تھرا اٹھی تو بچی سہی آزاد قومیں اپنی سلامتی کے لئے کانپنے لگیں۔ مگر ان کی مجموعی یاس نے ایک ایسی قوت کا تخم بویا جس نے آیندہ ہزاروں

بگڑی ہوئی قوموں کو سنوار لیا۔ گویا جہالت کی تاریکی توہمات کی پرستش
اور ایک عام غفلت کا پردہ جو یوروپ کے براعظم کو ڈھانپے ہوئے
تھا اسے سلطان محمد فاتح نے اپنی تلوار کی نوک سے ہٹا دیا۔ کیونکہ اس سے
پیشتر ارسطو اور فلاطون۔ سقراط اور بقراط۔ جالینوس اور ہومر کے
علمی خزانے جو مدتوں سے قیصروں کے دارالحکومت میں مدفون تھے انکی
نہ تو دنیا کو خبر تھی اور نہ ان تک رسائی۔ صدیوں کے بعد ترکوں کے
عروج نے جو جدید واقعات پیدا کئے انہوں نے ان علمی خزانوں کو دنیا
کے سامنے پیش کردیا۔ اس اشاعت میں ترکوں کی علمی ناقدردانی اور مفتوحین
کی ہجرت دونوں نے مساعدت کی۔ یعنی جو کتب خانے یونانیوں اور رومیوں
کی سینکڑوں پشتوں نے صدیوں کی محنتوں سے فراہم کئے تھے ان کا
ایک بڑا حصہ تو جیسا کہ پچھلے باب میں بیان ہوچکا ہے ترکوں کے ہاتھ سے
فروخت ہوکر دنیا کو ملا اور جو کچھ فاتحین کی گرفت سے محفوظ رہا وہ ان
مہاجرین کے ساتھ اطالیہ پہونچا جن کی سراسیمگی نے انہیں وطن چھوڑنے
پر مجبور کیا۔ ان نایاب تصانیف کا وہاں پہونچنا تھا کہ بنی آدم کے ایک
گروہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور ان کو رفتہ رفتہ یہ معلوم ہوگیا کہ پاپائے روم کی

بتلائی ہوئی محدود نعمتوں کے علاوہ پروردگار عالم نے بہتیری اور نعمتیں انسان کے لئے مہیا کر رکھی ہیں۔ جن کے حصول میں نہ ان نفس کشیوں کی ضرورت ہے جن کی تلقین خدا کے ایک جلیل القدر پیغمبر سے منسوب کی جاتی ہے نہ اس کورانہ تقلید کی جس کا موضوع بنا حضرت ابن مریم کے خلفا نے اپنی میراث سمجھ لیا تھا۔ غرض انسان کے جسمانی اور روحانی آرام اور خوشی کے لاکھوں سامان ان کو نظر آئے۔ اور اب انہیں کی طرف ایک عالم جھک پڑا۔

سب سے بڑھکر نتیجہ خیز انقلاب جو پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت عالم وجود میں آگئی جو انجیل اور تاج میں تمیز کرنے لگی۔ اس انقلاب نے ایک طرف تو پاپائے روم کے اقتدار کو مسلوب کر دیا اور دوسری طرف حکومت روم کا وہ دہشت انگیز اور مرعوب کن نام جس نے ہزاروں مفرد قوموں کو مفلوج کر رکھا تھا اس کو محو کر دیا۔ پھر تو ایک ایک ملت سیاسی حیات کے پردہ پر ابھر آئی۔ کیونکہ اگرچہ رومۃ الکبریٰ کا چراغ مدتوں سے ٹمٹما رہا تھا پھر بھی اس کی عظمت دیرینہ کے نام میں وہ رعب تھا کہ اقوام یوروپ ہمیشہ اپنے کو اس کی خیالی حکومت کا محکوم

اور رکن سمجھا گئے۔ ترکوں کی تسخیر قسطنطنیہ نے اس نام سے یوروپ کے کانوں کو نا آشنا کر دیا جس سے یکایک انہیں ایک خاص قسم کی آزادی محسوس ہونے لگی۔ اس نئے احساس نے نہ صرف مختلف سلطنتیں قائم کر دیں بلکہ ان سلطنتوں کو توڑ بھی دیا جو مختلف قوموں سے قائم تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر قوم میں قومی سلطنت کی امنگیں پیدا ہو گئی تھیں۔ اسلئے سیاسیات کا پرانا نظام کا قائم رہنا ممکن نہ رہا۔

علاوہ ان سیاسی نتائج کے سب سے فائدہ بخش اسباب جو قسطنطنیہ میں ترکی علم کے نصب ہونے سے پیدا ہوئے وہ تجارت اور سائنس کے متعلق تھے۔ ترکوں کا قسطنطنیہ پر مسلط ہونا تھا کہ یوروپ اور ہندوستان کے مابین آمد و رفت کا پرانا تجارتی رستہ جو گنتی کی چند قوموں کو معلوم تھا بالکل مسدود ہو گیا۔ اس اہم واقعہ نے یوروپ کی قدیم تجارتی دولتوں کو جنہیں ہندوستان کی دولت کی قدر معلوم تھی اس زرخیز خطۂ زمین کی کوئی نئی راہ تلاش کرنے کو بحر اطلانتق پر جہاز روانہ کرنے پر مجبور کیا۔ اور یوں ہسپانیہ کی حمایت میں کلمبس سفر کر کے بھٹکتا ہوا امریکہ پہونچا اور دنیا کو ایک نئی دنیا

لی۔ پھر ایک اور پرتگالی جہاز راں وسکوڈی گاما افریقہ کی جنوب سے
چکر کھاتا ہوا ہندوستان پہونچا اور یوروپ کے لئے ہندوستان
کی ایک نئی اور نسبتاً محفوظ راہ نکال لی۔ پرتگیز کے بعد کئی اور قومیں
ہندوستان میں آئیں جن میں انگریز۔ فرانسیسی۔ ڈچ اور ڈنمارک
والے تھے۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلی بار تھی کہ سمندر کی جانب سے
اجنبی حملہ آور اس میں داخل ہوئے۔ ورنہ اسکندر اعظم سے لیکر دُرانی
کشورستان کے زمانے تک ہندوستان کے محافظین میں اسکے مشرقی
اور مغربی سمندر ہمیشہ ہمالیہ کے ہم پایہ سمجھے گئے۔ ان فرنگی اقوام کی آمد نے
یہ ثابت کر دیا کہ یوروپ کے مقابلے میں سب سے غیر محفوظ اس کے وہی
بحری رستے ہیں جن کو اوّلین نے عبور نہ کیا تھا اور درۂ خیبر وغیرہ کی
اہمیت ایک گونہ گھٹ گئی۔ ان اجنبی قوموں خصوصاً انگریزوں اور فرانسیسیو
میں ہوس ملک گیری کے باعث رفتہ رفتہ جنگ چھڑ گئی جن کے باہمی جدوجہد
نے آخر برطانیہ کے سر پر ہندوستان کی حکومت کا سہرا باندھا۔ اسطرح
ترکوں کی فتح قسطنطینیہ نے اگر ایک طرف روم کی عظمت دیرینہ کو خاک
میں ملا دیا تھا تو دوسری طرف ایک اور عظیم الشان سلطنت کی بنا کا

باعث ہوئی تھی جو اس حکومت سے کسی بات میں کم نہیں ہے۔

جب ان علوم قدیمہ کو جو سینکڑوں برس سے قیصروں کے دارالحکومت میں دنیا سے چھپے ہوئے پڑے تھے واقعات نے پھر بنی آدم کے آغوش میں دیدیا تو وہ ناشا دطبیعتیں جو پادریوں کے وعظ و تلقین سے بیزار تھیں ایسے سامان کی مالک بنگئیں جو انہیں رہبانیت کی حکومت سے آزاد کرنے میں بہت مدد دے سکتے تھے۔ کیونکہ اگرچہ پاپائے روم کی سلطنت کے خلاف بہتیری معرکہ آرائیاں پہلے بھی ہو چکی تھیں مگر ان کا نتیجہ سوائے خونریزی کے کچھ نہ ہوا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مخالفین کے سامان جنگ میں عقلیت کے وہ اسلحہ موجود نہ تھے جو اعدا کو دمساز بنانے کی تنہا قدرت رکھتے ہیں۔ اب ان کے ہاتھ یہ زبردست آلہ آگیا تھا۔ یعنی افکار کا وہ نظام جو حق کو باطل سے ممتاز کرکے انسان کے دلوں پر نقش کر دیتا ہے۔ ان کی قوت کے اس اضافہ نے ان کی جمعیت کو بڑھا دیا۔ اور مسیح کی خلافت میں جو صدیوں سے روحہ میں اپنا سکہ جمائے ہوئے تھی تزلزل ڈالدیا۔ کسی طاقت کی اب یہ مجال نہ رہی کہ ان کی پیشقدمی کی مزاحمت کرے۔ قتل و خونریزیاں جتنی کیجانے لگیں ایک سے

ایک ہیرو پیدا ہوتا گیا جن کے امام اعظم مارٹن لوتھر نے آخر دنیا کو ایک نئے مذہب کی تعلیم دی۔

انہیں اسباب نے ان معاملات کی تفتیشوں کو بھی ممکن کیا جن کی عقدہ کشائی کی کوششوں میں غریب گلیلیو سے محقق اور حکیم نے جان گنوائی اور خدا معلوم کتنی قیمتی زندگیوں کا خاتمہ ہوا۔ مگر دنیا کب اس کی پروا کرتی ہے کہ کتنے نامرادوں نے دم توڑا ہے جب جا کر انسان آج ہوا پر پرواز کر رہا ہے اور بحر و بر دونوں پر اس کی حکومت ہے۔

مورخین یورپ نے قرون وسطی کے اس عہد کا نام رینیسنس[1] رکھا ہے جس میں ایک عام بیداری نے پیدا ہو کر علوم و فنوں کو ایک نئی زندگی بخشی تھی۔ اس عصر احیاء کی سب سے بڑی محرک انہیں علوم قدیمہ کی اشاعت تھی جو ترکوں کی فتح قسطنطینیہ کے بعد مفتوح مہاجرین اپنے ساتھ اطالیہ پہونچے تھے۔ انہیں کی بدولت خدا کی مخلوق اس تمدن اور تہذیب کے جلوہ کی پھر تماشائی ہوئی جو یونان قدیم سے پیدا کی تھیں اور

[1] یہ پندرھویں صدی عیسوی کا زمانہ تھا ۱۲

جن پر صدیوں کی جہالت نے پردہ ڈال رکھا تھا۔ فلسفے نے پھر سرسبزی حاصل کی۔ علم سیاسیات۔ علم الاقتصاد۔ علم معاشرت۔ فن مصوری فن سنگتراشی عالم وجود میں آئے۔

ان علوم کی لذتوں نے لوگوں کے دلوں میں اشاعت علم کا سہل ترین ذریعہ نکالنے کا ایک عام اشتیاق پیدا کر دیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان کے دماغ نے فن طبع ایجاد کیا جس نے دنیا کی کایا پلٹ دی اور علم وحکمت کی روشنی سے دنیا کے دور دور خطوں کو منور کر دیا۔

تمت بالخیر

صحت نامہ فتح قسطنطنیہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۹	جسن	جن
۵	۴	برنٹیم	برنطیم
۱۳	۹	ایک نہ ایک رومی	ایک نہ ایک ن رومی
۱۴	۱۱-۱۰	نہونیوالی تھی	نہونیوالا تھا
۲۴	۷	کے حین حیات	کی حین حیات
۲۵	۳	کے سقف	کی سقف
〃	۱۵-۱۴	ایک ہزار چھ سو فٹ	ایک ہزار چھیاسٹھ فٹ
〃	۱۵	دوسوچھ سو فٹ	دوسو چھیاسٹھ فٹ
۲۷	۶	کے نشانات	کی نشانیوں
۳۲	۱۳	سوارونکی بڑی	سواروں کو بڑی
۳۴	۶	قرار دیا تھا	قرار دیا
۳۵	۱۳	رکھدینا پڑتا	ڈالدینے پڑتے
۴۱	۶	ترتیب دی تھی	ترتیب کی تھی
۴۳	۱۱ – ۱۰	کہ ان کو یوروپ ...... موقعہ ہاتھ لگا	کہ یوروپ میں ...... موقعہ ان کے ہاتھ لگا
۴۴	۵	مفتوحہ قلعہ	مفتوح قلعہ
〃	۱۳	زیر کران	زیر کمان
۴۵	۵	گرپڑیں	گرپڑی
〃	۸	کیہ	کچھ

صحیح	غلط	سطر	صفحہ
زلزلے	زلرسے	۸	۴۵
دبا بیٹھی	دبا لیا	۴	۴۷
جھپٹ کر	چھپٹ کر	۹	۵۱
کے دامن	کی دامن	۸	۶۱
جب کہ خدا کی	جبب خدا کی	۹	۶۲
کی دامنگیر	کے دامنگیر	۲	۶۸
نہ رکھتی ہوں	نہ رکھتے ہوں	۱۰	۶۹
کی سرحد	کے سرحد	۱۲	۷۲
دوڑ سے گئے	دوڑ گئے	۲	۷۷
امیر	امبر	۱۴	۸۶
ان کے بزدلانہ	ان کی بزدلانہ	۱۵	۸۷
عزم	عزائم	۵	۹۲
معدنوں	معدن	۳	۹۳
کل نہ تھی	کل نہ تھا	۸	۹۶
اس سے پیشتر	اس کے پیشتر	۱	۹۹
نہ دیکھی تھی	نہ دیکھی تھی۔	۳	۱۰۱
ان کا اندازہ	اس کا اندازہ	۶	۱۱۴
اختیار کیا	اختیار کی	۱	۱۱۹
اڑا دیئے	اڑا دیتے	۲	۱۲۱
پوری شاہانہ	پورے شاہانہ	۲	۱۲۴
کی باہمی	کے باہمی	۱۲	۱۲۵

قطعۂ تاریخ از جناب مولوی رضا علی صاحب وحشت صاحب دیوان

زہے صحیفہ کہ افسانہ ہا درو بینی ÷÷ ز فتح و نصرت و ہمت شعاری ترکاں
خجستہ نامہ کہ گوید ز شوکت اسلام کہ انقلاب عظیمے فتاد از و بجہاں
خوشا کتاب منور کہ جلوہ ہا دارد از آفتاب کمال وو قار و عزت و شاں
طلسم فتح دریں نامہ دیدہ ام وحشت کہ سال طبع نوشتم کرامتہ کاں
۱۳۲۲ ھ

اہل کمال کی رائیں

دنیائے اسلام کے مشہور مفسر شمس العلما مولانا عبد الحق حقانی صاحب فرماتے ہیں:- میں نے اس تاریخ کو اول سے آخر تک دیکھا اور خوب دیکھا مصنف علامہ حاجی بدرالدین احمد نے ایک جدت پیدا کی ہے۔ شہر قسطنطینہ کا ابتدائی حال اور ترکی فرمانرواؤں کے واقعات ترتیب وار سلطان محمد خاں دوئم فاتح قسطنطینہ تک بیان فرمائے ہیں۔ اور موقع بموقع ترکوں کی فتح و شکست کے اسباب پر بھی اچھی بحث کی ہے اور یہ تاریخ میں بڑی ضروری بات ہے منجملا اسباب ہزیمت کے ایک بات بہت ہی عمدہ بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ جس دن سے ترکوں نے باشارہ و مصلحت یورپ ینگ چری فوج کو موقوف کردیا ہے اسی روز سے

پستی اور شکست ترکوں کے نشان پر لکھی گئی مصنف ممدوح کو دعائے خیر کے ساتھ الوداع۔

مسلمانوں کے قومی شاعر جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب پی۔ایچ۔ڈی بیرسٹر ایٹ لا فرماتے ہیں۔ آپ کی کتاب فتح قسطنطنیہ کو میں نے سرسری نظر سے دیکھا ہے نہایت دلچسپ ہے اور مفید معلومات کا خزینہ۔ اللہ تعالےٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے یہ کتاب لکھکر اردو لٹریچر میں ایک مفید اضافہ کیا مجھے یقین ہے کہ مسلمان اس رسالے کو شوق سے پڑھینگے۔

آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ممبر لیجسلیٹو کونسل صوبہ متحدہ فرماتے ہیں:۔۔۔۔۔ معلوم ہوتا ہے کہ لائق مصنف نے بہت محنت کی ہے اور اکثر انگریزی تاریخوں سے مواد جمع کرکے سلسلے اور عبارت آرائی کے ساتھ تاریخ کو مرتب کیا ہے۔ اب کہ فتح کی رو دوسری طرف کو دو سو برس سے بہ رہی ہے اس تاریخ کی اشاعت موجب حسرت نظر آئیگی۔ لیکن قوموں کی ترقی اور زوال اور مسلمانوں کی اور مسیحیوں کے حالات و سوانح کا جاننا ہر زمانے میں مفید ہوسکتا ہے۔ لائق مصنف نے کم عمری میں جب قسطنطنیہ کو دیکھا تو اس کی فتح کی تاریخ لکھنے کا عہد کیا تھا۔ لیکن اس کی تکمیل ایسے وقت میں ہوئی جب کہ بلغاریوں سے اسلامبول معرض خطر میں تھا۔ بہرحال کتاب ہر طرح لائق قدر ہے اور معنوی خوبیوں

کے ساتھ کاغذ چھاپہ بھی صاف اور عمدہ ہے۔

اس کا ڈیڈیکیشن اسلام کے نام جوشیلی عبارت میں کیا گیا ہے۔ علامہ شبلی فرماتے ہیں۔ عنایت نامہ اور کتاب پہنچی۔ شکریہ قبول فرماتے۔ میں سخت عدیم الفرصت ہوں۔ اس پر ضعف اور علالت بمشکل سے کچھ سیرت کا کام کر لیا کرتا ہوں تاہم سرسری طور سے کتاب دیکھی۔ اچھی معلوم ہوتی ہے۔ تعجب ہے کہ آپ نے کتاب کی ماخذوں کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ موجودہ مذاق کی رو سے یہ ضروری چیز ہے۔

خان بہادر جناب مولانا اکبر حسین صاحب پنشنر جج و رئیس

الہ آباد فرماتے ہیں۔ فتح قسطنطنیہ آپ نے دلی جوش اور دلی محبت سے لکھی ہے ایک ایسے ذہین ذی علم باخبر نوجوان مسلمان کا یہ مذاق اور ملت میں زندہ دلی پیدا کرنے کا شوق بہت امید افزا ہے تحقیق واقعات میں اور تفصیل حالات میں بہت محنت و توجہ کی گئی ہے۔ بیان بہت صاف ہے۔ خدا جزائے خیر دے۔ آپ کا سینہ نور قرآن سے منور ہو۔ جو آپ سے ملے اس کو خدا کی عبادت کا شوق پیدا ہو۔ ؎

از دست فقیر بینوا نا یدہیچ جز آنکہ بہ صدق دل دعائے بکند